لیُخرجَ الذین امنوا وعملوا الصّلحت من الظُّلمت الی

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

The **Ahmadiyya Gazette** and **Annoor** are published by the **Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.**
15000 Good Hope Road • Silver Spring, MD 20905 • Tel: (301) 879-0110
Printed and distributed by the Malook Enterprises, Inc., Michigan

Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.
P. O. Box 190496
Burton, MI 48519

**NON-PROFIT
U.S. POSTAGE
PAID
FLINT, MI
PERMIT NO. 88**

اوپر:- مکرم سید شمشاد احمد ناصر صاحب فرسٹ میتھوڈسٹ چرچ سوگر لینڈ میں اسلام پر لیکچر دیتے ہوئے۔

نیچے:- ایک روسی دوست ریجنل مبلغ مکرم مرزا محمود احمد صاحب کے ہمراہ احمدیہ بک سٹال پر۔

قرآن مجید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ③

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ⑤
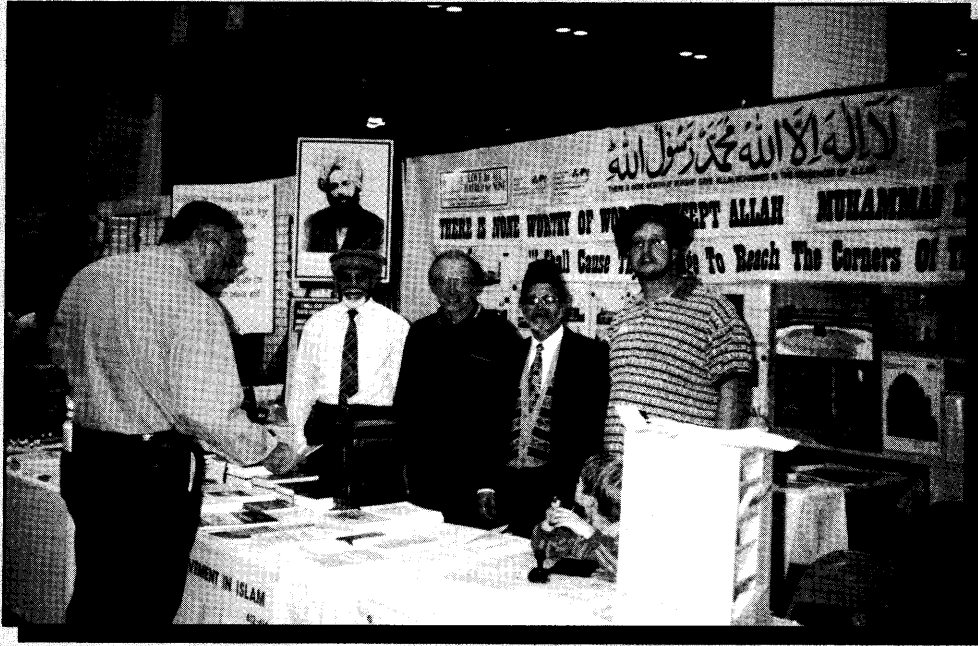
(میں) اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اس اللہ کی جو بادشاہ بھی ہے اور پاک بھی ہے اور سب خوبیوں کا جامع ہے اور غالب (اور) حکمت والا ہے۔

وہی خدا ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف انہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔

اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی (وہ اسے بھیجے گا) جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حدیث

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا قَرَأَ: وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ، قَالَ رَجُلٌ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى سَأَلَهُ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا قَالَ وَفِيْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ: فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ: لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعۃ و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپؐ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپؐ نے اسکی آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ پڑھی جس کے معنے یہ ہیں کہ "کچھ بعد میں آنے والے لوگ بھی ان صحابہ میں شامل ہوں گے جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے" تو ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جو درجہ تو صحابہ کا رکھتے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ حضورؐ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس آدمی نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ ہم میں بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس بھی پہنچ گیا یعنی زمین سے اٹھ گیا تو ان لوگوں میں سے کچھ لوگ اسکو واپس لے آئیں گے (یعنی آخرین سے مراد ابنائے فارس ہیں جن میں سے مسیح موعود ہوں گے اور ان پر ایمان لانے والے صحابہؓ کا درجہ پائیں گے۔

ایڈیٹر : ظفر احمد سرور

نائبین : سید غلام احمد فرخ
میاں محمد اسماعیل وسیم
عبد الشکور احمد

جنوری، فروری، مارچ 1996ء
شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ ١٤١٦
صلح، تبلیغ، امان ١٣٧٥ ھش

امام الکلام

"اس زمانے کا حصنِ حصین مَیں ہوں"

سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو!!! جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی، اپنا آرام، اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے لیکن میں اس خدمت کیلئے معین طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کر سکتا۔ تا کہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے۔ مجھے کون پہچانتا ہے؟ صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے اس طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں۔ دنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں دنیا سے نہیں ہوں۔ مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانے کا حصنِ حصین میں ہوں۔ جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا ہے۔ اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا ایک بندۂ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اُس میں ہوں مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نفسِ مزکّی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے تب وہ اس کے نفس کی دوزخ کے اندر اپنا پَیر رکھ دیتا ہے تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی۔ تب وہ ترقی پر ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رُوح اس میں سکونت کرتی ہے اور ایک تجلّی خاص کے ساتھ ربّ العالمین کا استویٰ اس کے دل پر ہوتا ہے۔ تب پرانی انسانیت اس کی جل کر ایک نئی اور پاک انسانیت اس کو عطا کی جاتی ہے ....."

(روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۴)

قربانِ ربِّ جلیل

کلامِ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

غذا پر غذا سے یقین آتا ہے

وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے

کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل

تو باتوں سے لذّت اُٹھاتا ہے دل

کہ دلدار کی بات ہے اِک غذا

مگر تُو ہے مُنکر تجھے اس سے کیا

نہیں تجھ کو اس رہ کی کچھ بھی خبر

تُو واقف نہیں اس سے اَے بے ہُنر

وہ ہے مہربان و کریم و قدیر

قسم اُس کی اُس کی نہیں ہے نظیر

جو ہوں دل سے قربانِ ربِّ جلیل

نہ نقصان اٹھاویں نہ ہوویں ذلیل

(درثمین اُردو)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ...... فرماتے ہیں:۔

"آپؐ کی عبادت ایک دورِ تسلسل کا رنگ رکھتی ہے کہ کچھ حصۂ وقت جب عبادت میں گزارتے تو خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اس کام کی توفیق دی اس کا شکر بجالانا ضروری ہے اس جذبۂ ادائیگیٔ شکر سے بے اختیار ہو کر کچھ اور عبادت کرتے اور پھر اسے بھی خدا تعالیٰ کا ایک احسان سمجھتے کہ شکر بجالانا بھی ہر ایک کا کام نہیں جب تک خدا تعالیٰ کا احسان نہ ہو پھر اور بھی زیادہ شوق سے جلوہ نمائی ہوتی اور پھر اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اور یہ راز و نیاز کا سلسلہ ایسا وسیع ہوتا کہ بارہا عبادت کرتے کرتے آپؐ کے پاؤں سوجھ جاتے ......

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں..... "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوا کرتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپؐ کے قدم یا (کہا) پنڈلیاں سوج جاتیں۔ لوگ جب آپؐ سے کہتے (کہ آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں) تو آپؐ جواب دیتے کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (ترجمہ حدیث بخاری جلد ا کتاب التہجد)

اللہ اللہ کیا عشق ہے کیا محبت ہے کیا پیار ہے خدا تعالیٰ کی یاد میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ خون کا دوران نیچے کی طرف شروع ہو جاتا ہے اور آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ لیکن محبت اس طرف خیال ہی جانے نہیں دیتی۔ آس پاس کے لوگ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کرتے کیا ہیں۔ اور آپؐ کے درد سے تکلیف محسوس کر کے آپؐ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ آپؐ یہ کیا کرتے ہیں اور کیوں اپنے آپ کو اس تکلیف میں ڈالتے ہیں اور اس قدر دکھ اٹھاتے ہیں..... مگر وہ دکھ جو لوگوں کو بے چین کر دیتا ہے اور جس سے دیکھنے والے متاثر ہو جاتے ہیں آپؐ پر کچھ اثر نہیں کرتا..... اور انہیں جواب دیتے ہیں کہ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ وہ مجھ پر اس قدر احسان کرتا ہے اس قدر فضل کرتا ہے اس شفقت کے ساتھ مجھ سے پیش آتا ہے پھر کیا اس کے اس حسنِ سلوک کے بدلہ میں اس کے نام کا وِرد نہ کروں؟ اس کی بندگی میں کوتاہی شروع کر دوں۔

کیا اخلاص سے بھرا ہوا اور کیسی شکر گزاری ظاہر کرنے والا یہ جواب ہے۔ اور کس طرح آپؐ کے قلبِ مطہر کے جذبات کو کھول کر پیش کر دیتا ہے۔ خدا کی یاد اسکے ذکر کیا یہ تڑپ اور کسی کے دل میں ہے؟ کیا کوئی اور اس کا نمونہ پیش کر سکتا ہے....."
(سیرت النبیؐ صفحہ ۵۴-۵۵)

خطبہ جمعہ

مالی نظام سے وابستہ جماعت کو مالی نظام کی تقویٰ کی باریک راہوں پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیئے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ ۳ نومبر ۱۹۹۵ء مطابق ۳ نبوت ۱۳۷۴ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

[خطبہ کا یہ متن ادارہ النور اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے]

تحریک جدید کے نئے مالی سال کا اعلان

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله. أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم.
﴿بسم الله الرحمٰن الرحيم* الحمد لله رب العٰلمين* الرحمٰن الرحيم* مٰلك يوم الدين* إياك نعبد وإياك نستعين* اهدنا الصراط المستقيم* صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين*﴾.

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل : ۷۶)

یہ سورہ النحل کی ۷۶ ویں آیت ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اس کے مضمون سے ظاہر ہے کہ آج کے خطبے کا موضوع مالی قربانی ہے اور اس کا موقع یہ پیش آیا کہ تحریک جدید کا ایک سال ختم ہو کر اب نئے سال کا آغاز ہوا ہے۔ اور ایک لمبے عرصے سے یہی دستور چلا آرہا ہے کہ جب تحریک جدید کا ایک مالی سال ختم ہو کر دوسرے سال میں داخل ہوتا ہے تو پہلے خطبے میں سوائے اس کے کہ کوئی مانع ہو جائے، کوئی اور روک پیدا ہو جائے تحریک جدید ہی کے موضوع پہ خطبہ دیا جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے مالی قربانی کا جو مضمون میں نے اس آیت کے حوالے سے بیان کرنا ہے پہلے اس سے متعلق بات کروں گا پھر انشاء اللہ وہ اعداد و شمار آپ کے سامنے رکھوں گا جو گزشتہ سال کے اور اس سے پیوستہ سال کے ہمارے سامنے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ضرب اللہ مثلاً عبدا مملوکا لایقدر علیٰ شیء" اللہ ایک ایسے غلام کی مثال پیش کرتا ہے جس کے قبضے میں کچھ بھی نہ ہو "ومن رزقناہ منارزقاحسنا" اور ایک ایسے شخص کی مثال جسے ہم نے اپنی جناب سے پاکیزہ رزق عطا کیا ہو "فھو ینفق منہ سراوجھرا" اور وہ اس میں سے چھپا کے بھی خرچ کرے اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرے "ھل یستون" کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں "الحمد للہ" سب تعریف اللہ کے لئے ہے "بل اکثرھم لا یعلمون" بلکہ اکثر ان میں ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔

یہاں جو عبد مملوک کی مثال ہے اس سے ذہن میں یہ مضمون ابھرتا ہے کہ کوئی ایسا شخص ہو جو بے چارہ غریب ہو، اس کے پلے کچھ نہ ہو، قبضہ قدرت میں کچھ نہ ہو، اس کی مثال کے مقابل پر خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے کی مثال دی گئی ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ تو معذور ہے اس کا تو اختیار ہی کچھ نہیں۔ اس کو ایک نیک، صاحب حیثیت کے مقابل پر رکھنا کیا معنے رکھتا ہے۔ اس لئے دراصل عبد مملوک کے مضمون کو سمجھا نہیں گیا۔ عبد مملوک سے مراد وہ شخص ہے جو مالی لحاظ سے خواہ کیسی ہی کشائش رکھتا ہو مگر جس مال کا مالک ہے اس کا غلام بھی ہے اور اسی مال کے بندھنوں میں ایسا پھنسا ہوا ہے کہ کلیتہً بے اختیار ہو چکا ہے۔ یا جس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو دنیا کے دام میں پھنس چکا ہے اور اسے کوئی آزادی دنیا سے نصیب ہی نہ ہو کہ کار خیر میں کچھ کوشش کر سکے۔ تو عبد مملوک کے مقابل پر وہ عباد اللہ ہیں جو خدا کے غلام ہو جاتے ہیں اور ان کو پھر خیر کی آزادیاں نصیب ہوتی ہیں۔

پس یہ دو قسم کے غلام ہیں جن کا موازنہ قرآن کریم فرماتا ہے یہاں اختصار کے ساتھ، بعض جگہوں پہ تفصیل کے ساتھ۔ پس دو میں سے ایک غلامی تو تمہیں بہرحال اختیار کرنی ہوگی۔ ایک غلامی وہ ہے جو شیطان کی یا دنیا کی لالچ کی اور دنیا کے اموال کی غلامی ہے۔ اس غلامی میں تم ہر خیر کے فعل سے عاجز آجاؤ گے۔ کسی نیک کام کی توفیق نہیں ملے گی اور دن بدن زیادہ سخت بندھنوں میں تم بے بس اور مقید ہوتے چلے جاؤ گے۔ اور یہ وہ سلسلہ ہے جس کے متعلق پھر "عبدا مملوکا" کی وہ مثال صادق آتی ہے۔ کہ "لایقدر علیٰ شئی" اس کو کچھ بھی اختیار نہیں، کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اب وہ لوگ جو بے حد امیر ہوں مگر جتنے امیر ہوں اتنا ہی اپنے اموال کے خود غلام بن چکے ہوں وہ بے چارے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے اوپر بھی خرچ نہیں کر سکتے، اپنے بچوں پہ بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ اپنی خواہشات بھی اس سے پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مال کی غلامی کے سوا اور کوئی خواہش باقی نہیں رہتی اور یہ خواہش ہر دوسری خواہش پر غالب آجاتی ہے۔ تو یہ اس سفر کی انتہا دکھائی گئی ہے جو مادہ پرستی کا سفر ہے۔ جس میں انسان خود اپنی گردن مادے کے نیچے دے دیتا ہے اور وہ پھر اس پر قبضہ کرتا چلا جاتا ہے۔ پس یہ کیسی آزادی ہے کہ انسان خود اپنی ملکیت کا غلام ہو جائے۔

اس کے برعکس اللہ کی غلامی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ہم ایسے شخص کو جو ہمارا غلام ہو جاتا ہے وہ ہمارے رنگ سیکھتا ہے ہم اسے عطا کرتے ہیں وہ آگے عطا کرتا ہے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ غلام ہو اور آقا کے مزاج کے خلاف مزاج رکھے۔ کیونکہ آقا کے مزاج کے خلاف اگر مزاج ہو بھی تو اس مزاج کو استعمال کرنے کی اسے اجازت ہی نہیں ہوتی۔ مملوک کامل تو وہ ہے جو اپنے آقا کے مزاج کے مطابق چلتا ہے۔ پس دھن کا بھی ایک مزاج ہے جس کو ایک ہندی مصرعہ کی صورت میں یوں کہا گیا ہے گویا ایک قسم کی ضرب المثل ہے کہ۔

مایا کو مایا ملے کر کر لانبے ہاتھ ☆ تلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات

یعنی شعر ہے مصرعہ نہیں، کہ دولت کا مزاج تو یہ ہے کہ دولت کو ملتی ہے اور لمبے لمبے ہاتھ کر کے اسے سمیٹتی چلی جاتی ہے اور یہ مزاج جو ہے وہ غریب سے مستغنی ہو جاتا ہے اسے کچھ بھی پرواہ نہیں رہتی کہ بنی نوع انسان میں سے دوسرے لوگ کس حال میں زندگی بسر کر رہے ہیں کیونکہ دولت کو دولت کی حرص ہوتی ہے یہی جہنم کا مزاج قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور مادہ پرستی کے اندر یہ بات شامل ہے۔ پس فرمایا جن کو ہم رزق دیتے ہیں وہ تو ہمارا مزاج لیتے ہیں یعنی اللہ تو رزق سب کو دیتا ہے مگر یہاں بڑے پیار سے ان بندوں کا ذکر ہے جو خدا کے ہو چکے ہوں جب وہ خدا سے رزق لیتے ہیں تو پھر خدا کی طرح اس مال کو آگے خرچ کرتے ہیں اور خرچ بھی "سرا وعلانیۃ" چھپا کے بھی اور ظاہر بھی، "سرا وجھرا" چھپا کے بھی اور اونچی آواز سے بھی یعنی بتا کے بھی۔

اب یہ بھی اللہ کا مزاج ہے اور اللہ کی اکثر عطا "سرا" ہے اس میں اکثر صفات جو انسان کو دی ہیں یا اپنی ہر مخلوق کو جو عطا کی ہیں وہ بغیر شور کے ہیں ان میں کوئی اظہار نہیں، نہ ان صفات کے مالک کو جن کو عطا کی گئی ہیں، اس کا شعور ہی ہوتا ہے کہ میں کن کن صفات کا مالک ہوں نہ وہ گفتگو میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اب سائنس دان مثلاً انسان کے اندرونی اعضاء کی، جو مخفی اعضاء ہیں انسان کی نظر سے، ان کی جو صفات معلوم کر رہے ہیں یہ تو ابھی سفر کا آغاز ہے مگر جتنی بھی معلوم کر چکے ہیں بے انتہا علم کے خزانے ہیں جو ہمارے ہاتھ آئے ہیں۔ اور ان کے متعلق کوئی شور نہیں تھا، کچھ بتایا ہی نہیں گیا، کوئی احسان تفصیل سے جتایا نہیں گیا۔ اللہ کے مخفی ہاتھ نے ایک عطا کر دی ہے اور وہ ساری کائنات میں اسی طرح ایک مخفی ہاتھ سے عطا کرتا چلا جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس عطا کو کھل کر اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے وہ آواز کی صورت میں دوسروں تک پہنچتی ہے۔ انسان کو جو صفات حسنہ عطا کی گئی ہیں ان میں انسان بولتا بھی ہے لکھتا بھی ہے اپنے کلام کے ذریعے، اپنے اشاروں کے ذریعے، اپنی دوسری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بنی نوع انسان پر اپنی صفات کو اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس کی انا اس سے تسکین پاتی ہے۔ پس وہ تو اپنی تسکین انا کی خاطر کرتا ہے مگر درحقیقت یہ اللہ کا ہاتھ ہے جو اس کے اندر بول رہا ہے۔ اس کی نیت اور ہے مگر اللہ نے اس کو وہ صلاحیت بخشی ہے جو بلند آواز سے بتا سکتی ہے کہ میں ایک صلاحیت ہوں۔ ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جن میں طاقت ہے اپنے اظہار کی اور وہ پھر چھپی نہیں رہتیں اور اس مضمون کا تعلق صرف لفظی اظہار سے نہیں ہے یا تحریری اظہار سے نہیں ہے بلکہ عملاً بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو اپنی زبان حال

سے بولتی ہیں۔ آنکھیں ہیں، ایک انسان جو آنکھوں والا پھر رہا ہے اس کی آنکھوں کی طرف خواہ آنکھوں والے کا دھیان عام طور پر نہ بھی جائے یا خود اپنی آنکھوں پر بھی غور نہ کرے مگر جب کوئی اندھا دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں بولنے لگتی ہیں اور جن آنکھوں کو وہ دیکھتا ہے وہ بھی بولنے لگتی ہیں۔ انسان کو بتاتی ہیں کہ اللہ کا بڑا احسان تھا جو "سرا" تھا تمہاری نظر سے مگر عملاً تو "جھرا" ہے۔ یہ تو ہر وقت دکھائی دینے والی چیز ہے۔ اس کا پیغام ہر لحہ سمجھنے والا، سننے والا اور سمجھنے والا ہے۔ زبان بولتی ہے کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جو کھلی اور ظاہر نعمت ہے۔ مگر جب گونگے سے بات کرنی پڑے کسی گونگے کو مشکلات میں مبتلا دیکھیں تب سمجھ آتی ہے کہ یہ تو ایک خدا کا انعام جہر ہے۔ نوک پلک درست ہو انسان کے چہرے کی، دونوں آنکھیں ہوں، ناک ہو، ہونٹ ہوں متوازن ہوں تو یہ بھی ایک جہری انعام ہے، یہ "سری" انعام نہیں۔ مگر انسان بسا اوقات اللہ کی نعمتوں کو ان کے "جھر" کو بھی "سر" میں بدل دیتا ہے۔ خیال ہی نہیں کرتا ان کا۔ لیکن جب ایک انسان کے ہاں مثلاً ایک معذور بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ناک کے اندر ایک پردہ نہیں تو آواز ہی ناک سے نکلتی ہے اور ساری زندگی کے لئے وہ آواز اسے اپنی اس نعمت کا احساس دلاتی ہے جو اسے میسر ہے پہلے خیال ہی نہیں آتا تھا۔ تو ایک بگڑی ہوئی آواز ایک صحت مند آواز کے حق میں بولتی ہے اور بتاتی ہے کہ کتنا بڑا انعام تھا جو جہری انعام تھا جس سے تم نے آنکھیں بند رکھیں اور اپنے کان بند رکھے۔ تو یہ نظام ہے اللہ تعالیٰ کی عطا کا۔ تو جو اس کے بندے ہیں انہوں نے اسی سے آخر زندگی کی رمزیں سیکھنی ہیں، زندگی کی ادائیں سیکھنی ہیں۔ پس خدا کے پاک بندے بھی سراً بھی نیکیاں کرتے ہیں اور جہراً بھی کرتے ہیں۔

> **تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا قدم ترقی کی جانب ہے اور پہلے سے بڑھ کر مالی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں**

اور یہ عجیب لطف کی بات ہے کہ جتنا خدا سے دور ہو لیکن خدا کی طرف حرکت کر رہا ہو اس کی ظاہری نیکیوں کا توازن "سری" نیکیوں کے مقابل پر زیادہ ہوتا ہے۔ اور جتنا کوئی خدا کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہ توازن الٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی ظاہری نیکیاں اس کی "سری" نیکیوں سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور اکثر نیکیاں اس کی مخفی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کی ذات پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ جب تک خدا نہ ان کو ابھار کے ان کی طرف سے اعلان کرے اور ان کے حسن کا اظہار نہ کرے وہ مخفی رہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے ابتدائی دور اور دوسرے دور کا موازنہ فرمایا ہے۔ اس میں یہی راز کھولا ہے کہ اگر خدا مجھے مجبور نہ کرتا اور خود مجھے باہر نکال کر دنیا کو نہ دکھاتا تو میں اس حال پہ راضی تھا جو میرا مخفی حال تھا۔ پس سوائے اللہ کے کوئی آنکھ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کرتا تھا، میری کیا سوچیں تھیں، میرے کیا اعمال تھے کیونکہ وہ دنیا کی نظر سے مخفی تھے۔

پس یہ بھی ایک عجیب سفر ہے جو اظہار سے اخفاء کی طرف چلتا ہے جو جہر سے "سر" کی طرف روانہ ہے اور انفاق فی سبیل اللہ میں بھی یہی مضمون ہے۔ اللہ کی راہ میں ظاہری مال خرچ کرنے والے بھی شروع میں اتنا مخفی ہاتھ نہیں رکھتے لیکن دن بدن پھر اظہار سے کچھ گھبرانے لگتے ہیں۔ اظہار مزاج کے مطابق نہیں رہتا پھر جیسا کہ مجبوریاں ہیں مثلاً آنکھ کے حسن کا اظہار تو ہو گا ہی اگرچہ اس کے پیچھے وہ رگیں پوشیدہ ہیں جن کے بغیر آنکھ بے کار ہے، وہ دماغ پوشیدہ ہے جس کے بغیر ان رگوں کا نظام بے کار ہو جاتا ہے، وہ دماغ کے اندرونی رابطوں کا نظام ہے جو نظر میں نہیں آتا تو آنکھ میں جو ظاہر ہے اس "سر" کا پہلو بہت زیادہ ہے۔ کان میں بھی جو ظاہر ہے "سر" کا پہلو بہت زیادہ ہے۔ زبان میں بھی جو بولتی ہے وہ مخفی اسرار اور علامات جو زبان کے بولنے کے نظام کے پیچھے کام کر رہے ہیں وہ دکھائی نہیں دیتے نہ وہ سنائی دیتے ہیں۔ تو اسی طرح خدا کے بندے جب خدا کی طرف حرکت کرتے ہیں اور نسبتاً کم مملوک ہوتے ہوئے زیادہ مملوک بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی غلامی سے آزاد ہو کر ان کی زنجیریں اتار رہے ہوتے ہیں اور اللہ کی رضا کی زنجیروں کے لئے اپنے ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ یہ سفر کامل طور پر ان کو خدا کا مملوک بنا دیتا ہے۔ ان کے متعلق پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "عباد الرحمٰن"۔

اب وہ صفات دیکھیں جو عباد الرحمان کی ہیں۔ لفظ عباد وہی استعمال فرمایا جا رہا ہے جو خدا کے سب بندوں پر استعمال ہوتا ہے لیکن وہ صفات مخصوص ہیں ان عباد کی جو طوعی طور پر خدا کے عبد بنتے ہیں۔ مجبوراً تو سب عبد ہیں ہی لیکن مجبوری کی غلامی، صفات حسنہ جو خدا کی طرف سے بندے میں منتقل ہوتی ہیں ان کی راہ میں روک بن جاتی ہے۔ مجبوری کی غلامی کا مطلب یہ ہے کہ دل کسی اور کا غلام ہے اور خدا کے رستے میں ہم مجبور ہیں وہی مالک ہے اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے وہ جو خدا کی صفات حسنہ یا اسماء کا ایک بہاؤ ہے خدا کی طرف سے بندے کی طرف وہ عباد الرحمان کے سوا دوسرے بندوں کو نہیں پہنچتا سوائے اس کے جو فیض عام کی صورت میں ہر مخلوق کو حاصل ہی ہے۔ وہ حاصل نہ ہو تو کوئی سفر اس کی جانب ہو ہی نہیں سکتا۔ تو ایسی صورت میں اپنے خرچ کو دیکھ اس سے بھی اپنی ذات کو پہچانا جا سکتا ہے۔ اپنے خرچ کے انداز کو دیکھ کر اس کے آئینے میں بھی انسان معلوم کر سکتا ہے کہ میں اپنی روح کی کیا شکل بنا رہا ہوں۔ اور پھر پہلے اور بعد کے موازنے سے انسان یہ معلوم کر سکتا ہے کہ میرا سفر خدا کی سمت ہے یا خدا سے دور ہے۔

> **مالی قربانی سے جو نفس کی پاکیزگی کا تعلق ہے اس میں مالی قربانی کرتے وقت اس کا کچھ دکھ محسوس ہونا چاہئے تا کہ انسان سمجھے کہ میں نے تکلیف اٹھائی ہے مگر خدا کی خاطر اٹھائی ہے۔ یہ احساس ہے جو اس کے اندر پاکیزگی پیدا کرتا ہے**

پس خرچ کرنے والا آخری عمر میں جا کر اپنے خرچ سے تھک رہا ہو اس کی طبیعت پہ خرچ کی صورت میں زیادہ بوجھ پڑنے لگا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے خدا کی غلامی کی زنجیریں بھاری لگنے لگی ہیں اور وہیں سے اس کا سفر ترقی معکوس کی طرف الٹ جاتا ہے۔ پس مالی نظام سے وابستہ جماعت کو مالی نظام کی تقویٰ کی باریک راہوں پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے کیونکہ جو خدا کے دین کی ضرورت ہے، تحریک تو اس کی خاطر کی جاتی ہے، مگر وہ ضرورت پورا کرنا اس نظام کی پوری تصویر نہیں ہے۔ اس نظام کے پس منظر میں جو "سری" انعامات ہیں اللہ تعالیٰ کے وہ اس سے زیادہ ہیں جو ضرورت کی صورت میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بہت باریک نکات ہمارے سامنے رکھے ہیں اور ان سب کی بنیاد قرآن کریم کی آیات پر ہے اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ارشادات پر ہے۔ اس لئے مالی نظام کا وہ پہلو تو ہمیں جماعت میں دکھائی دے رہا ہے جو ضرورت حقہ پوری کرتے وقت دکھائی دیتا ہے۔ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے آج کے زمانے میں ایک ہی منفرد جماعت دنیا میں پیدا فرمائی ہے۔ جو خالصۃً للہ وہ قربانی کرتی چلی جاتی ہے جو دنیا کی نظر میں کمر توڑنے والے بوجھ ہیں۔ جو عام دنیا دار کے اوپر ڈالے جائیں خواہ وہ ٹیکس کی صورت میں ڈالے جائیں یا اور کسی بہانے سے تو تمام دنیا کا انسان اس نظام کے خلاف بغاوت کر دے اور دنیا کا امن برباد ہو جائے۔ انسان اتنے بوجھ اٹھا ہی نہیں سکتا خواہ قانون کی مجبوری سے بھی اٹھانے پڑیں۔ لیکن ایک جماعت ایسی ہے جو جتنا بوجھ اٹھاتی ہے اور زیادہ دل چاہتا ہے کہ اور بھی اس میں اضافہ کرتے چلے جائیں، اور نظریں ڈھونڈتی ہیں، اپنی جیبوں کی تلاش کرتی ہیں، اپنے عزیزوں کی جیبوں کی تلاش کرتی ہیں، بہانے ڈھونڈتی ہیں کس طریقے سے ہم کچھ خرچ کم کر دیں، کس طریقے سے محنت زیادہ کر کے کمائی زیادہ کریں تا کہ یہ ضرورت پوری ہو اور ہمارے دل کو چین نصیب ہو۔

تو یہ سفر جو ہے یہ عبودیت کی طرف عبد کا سفر ہے، عباد الرحمٰن کی جانب سفر ہے، جس کی تفصیل اس آیت میں ملتی ہے کہ پھر وہ خدا کے رنگ اختیار کر کے مخفی بھی خرچ کرتے ہیں اور جہراً بھی۔ اب مخفی کو پہلے رکھنا بتا رہا ہے کہ مخفی کو فوقیت دیتے ہیں۔ پس یہ بات جو میں نے بیان کی ہے کہ ان کا سفر مخفی نظام قربانی کو بڑھانے کی طرف ہے اور ظاہر کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ یہ اس آیت کے کلمات کی ترتیب سے ظاہر ہے "سراً و جھراً" دل ان کا چاہتا ہے سراً کرنے کو۔ فوقیت دیتے ہیں "سر" کو لیکن مجبوریاں ہیں بعض دفعہ اگر "سر" ہی رہے تو سارے مومنین میں جو جذبے کو آگے بڑھانے کا نظام ہے اس میں کمزوری آ جائے گی۔ اور ان کا اعلان، ان کا جہر اپنی ذات کو نمایاں کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے مومنوں میں قربانی کا جذبہ بڑھانے کی خاطر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نظام جماعت کو بعض دفعہ ان کے ذکر بھی کرنے پڑتے

کتابیں پڑھنے کے بعد لائبریری کو بھیج دیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا:

"افراد سے میں کہوں گا کہ آپ اپنی زندگی میں (اور آپ سے مراد وہ دوست ہیں جنہیں علم کا شوق ہے اور کتابیں خریدتے ہیں) بہت سی کتب ایسی بھی خریدتے ہیں کہ جب پڑھ لیتے ہیں تو ان میں آپ کو کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ پس ایسے دوستوں کو سوچنا چاہئے کہ ایسی کتب میں ایک ہزار دوسرے آدمیوں کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس واسطے وہ ایسی کتب (خلافت) لائبریری میں بھیج دیں۔ ان کا اپنا شوق تو پورا ہو گیا......"۔

"اگر ہماری ساری جماعت اس طرف توجہ کرے اور ساری جماعت سے مراد پاکستان کی جماعت نہیں بلکہ ساری دنیا کی جماعتیں مراد ہیں جن میں کروڑ ڈیڑھ کروڑ سے بھی شاید زیادہ افراد ہوں۔ پس اگر دوست توجہ کریں تو ہمیں سال میں ایک لاکھ کتابیں آسانی سے مل سکتی ہیں"۔

(روزنامہ الفضل ۲ مئی ۱۹۹۱ء)

منجانب صدر خلافت لائبریری کمیٹی ربوہ

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ہیں۔ اگر انفرادی طور پر نہ کیا جائے تو جماعتی طور پر کرنے پڑتے ہیں۔ اور جماعتی طور پر جب ظاہر کئے جاتے ہیں تو جماعت کی عمومی انا کو ضرور کچھ تسکین ملتی ہوگی مگر یہ وہ تسکین ہے جو اللہ کی خاطر قربانی کرنے کے احساس کے نتیجے میں ملتی ہے۔ اس لئے یہاں انا کی تسکین ناجائز نہیں بلکہ پر لطف بھی ہے اور جائز بھی ہے۔

> **وہ انفاق فی سبیل اللہ جو مخفی طور پر کیا جائے اس سے نفس کی بخیلی بہت زیادہ دور ہوتی ہے بہ نسبت اس انفاق سبیل اللہ کے جو ظاہر کر کے کیا جائے**

مگر انفرادی طور پر اگر بار بار نام لئے جائیں جو بعض دفعہ کبھی کبھی لینے بھی پڑتے ہیں تو اس صورت میں خطرہ یہ ہے کہ اس فرد کی انا موٹی ہو جائے اور محض للہ تسکین نہ پائے بلکہ اس کی جو اپنے دکھاوے کی فطری تمنا ہے، اپنے آپ کو بڑا دکھانے کا جو جذبہ زندہ چیز میں پایا جاتا ہے وہ جذبہ موٹا ہو جائے اور اسی حد تک وہ خدا کے قرب سے محروم ہوتا چلا جائے۔ پس یہ سارے جو توازن ہیں ان کو برقرار رکھنا پڑتا ہے اور کبھی ایک پہلو پر زور دیا جاتا ہے کبھی دوسرے پہلو پر۔ مگر جہاں تک جماعتوں کی دوڑ کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے اس میں کوئی قباحت کا پہلو نہیں ہے، کم از کم اب تک ہمیں کوئی قباحت کا پہلو دکھائی نہیں دیا۔ اس لئے پہلے تو بسا اوقات نام بھی لئے جاتے تھے مگر اب حتی المقدور میری کوشش یہی ہے کہ جماعتی موازنے کئے جائیں اور انفرادی موازنے نہ کئے جائیں۔ انفرادی موازنہ ہے ضروری لیکن ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے میرے خطبے کے اس پہلے حصے کا اس انفرادی موازنے سے تعلق تھا جو میں چاہتا ہوں آپ میں سے ہر ایک اور میں بھی، ہم سب ہمیشہ کرتے رہیں۔ اور وہ موازنہ ہے صفات حسنہ کا جو کامل تصور خدا تعالیٰ نے پیش فرمایا ہے یعنی ان عباد الرحمٰن کا جو عبد مملوک نہیں رہے، جو شیطان کی غلامی سے کامل طور پر آزاد ہو گئے ہیں، جن کی دولت، جن کی ملکیت ان کی غلام ہے۔ وہ نہ اپنی دولت کے غلام ہیں نہ اپنی ملکیت کے، نہ اپنی اولاد کے، نہ اپنے عزیزوں کے، نہ نفسانی خواہشات کے، وہ جب آزاد ہوتے ہیں تو پھر خدا کی راہ میں کیسے کیسے خرچ کرتے ہیں اس کی تفصیل قرآن کریم میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کی سیرت میں ملتی ہے۔ پس اس موازنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا موازنہ ان مثالی تصویروں سے کرتے رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ ہم زندگی کے سفر کے ساتھ ساتھ ان تصویروں کے قریب آ رہے ہیں یا ان سے دور ہٹ رہے ہیں۔

جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک الفاظ میں مالی قربانی کی تحریص کا تعلق ہے میں ایک دو اقتباسات حضرت اقدس کے پڑھ کے سناتا ہوں پھر وہ جو جماعتی موازنہ ہے وہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے"۔

اب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو دوبارہ غور سے سنیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ محض مالی قربانی کی بات نہیں کر رہے۔ آپ ایسی مالی قربانی کی بات کر رہے ہیں جس کا اثر بنیادی ضروریات تک پہنچتا ہے، جس کی آواز اس دکھ میں محسوس ہوتی ہے جو انسان اپنی ضرورت کی چیز قربان کرتے وقت ویسے محسوس کرتا ہے۔ وہاں تک جب تک قربانی کی دھمک نہ پہنچے اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قربانی نے بخل کی ہر پلیدی کو اندر سے نکال پھینکا ہے۔ پس حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کو محض سطحی نظر سے دیکھنے سے آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ بار بار پڑھنے کا اس لئے ارشاد ہے کہ غور کریں تو پھر آپ کو اس کا پیغام سنائی دینے لگے گا اور جب وہ روشن ہوتا ہے تو اس کے ساتھ دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

"اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے"۔

اکثر وہ امراء یا درمیانے درجے کے لوگ بھی جو روزمرہ کی زندگی کی ضرورتوں کے معاملے میں پریشان نہیں رہتے ان کے پاس کچھ مال بچ جاتا ہے۔ وہ جب مالی قربانی کرتے ہیں اس کے ثواب سے تو خدا ان کو کبھی محروم نہیں رکھے گا۔ اگر جذبے نیک ہیں تو اس کا ثواب ضرور عطا ہو گا۔ مگر ایک اور مضمون ہے جو مسیح موعود علیہ السلام بیان فرما رہے ہیں کہ مالی قربانی سے جو نفس کی پاکیزگی کا تعلق ہے اس میں مالی قربانی کرتے وقت اس کا کچھ دکھ محسوس ہونا چاہئے تا کہ انسان سمجھے کہ میں نے تکلیف اٹھائی ہے مگر خدا کی خاطر اٹھائی ہے۔ یہ احساس ہے جو اس کے اندر پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ فرمایا اگر یہ ہو جائے تو "تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے" یعنی بخل ایک پلیدی ہے۔ بخل کی تعریف تو کئی طرح سے کی گئی ہے مگر یہاں بخل سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ ضرورت حقہ جس پر خرچ کرنا خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے اس ضرورت حقہ کو پوری کرتے ہوئے خواہ وہ اپنوں کی ہو یا غیروں کی ہو، جماعت کی ہو یا افراد کی ہو جو روک طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اسے بخل کہا جاتا ہے۔ اور ضرورت حقہ کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ اپنے نفس کو کاٹ کر یا مار کر نہیں بلکہ اسی حد تک پوری کی جائے گی کہ غریب کی تکلیف میں بھی آپ شامل ہو جائیں اور آپ کی خوشیوں میں بھی وہ شامل ہو جائے اور دونوں طرح سے شراکت ہو۔ یہ مضمون ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں۔ جب یہ ہو گا تو تمہارے نفس سے بخل کی پلیدی نکال باہر پھینکی جائے گی۔ فرماتے ہیں:۔

"اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے"۔

فرمایا ہے اس کے نتیجے میں ایمان چمک اٹھتا ہے اور اس کے اندر صرف قوت ہی نہیں بلکہ مضبوطی اور روشنی پیدا ہو جاتی ہے ایمان کی مضبوطی اور اس کی صلابت سے مراد یہ ہے کہ اس کے اندر سے ایک شعلہ نور اٹھتا ہے جو اسے زیادہ روشن کر دیتا ہے، زیادہ یقینی بنا دیتا ہے۔

پس یہ وہ مخفی فائدے تھے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا کہ یہ "سر" کا پہلو ہے انفاق کا جو ظاہری انفاق کے علاوہ اپنے فیوض میں بھی "سر" رکھتا ہے وہ انفاق فی سبیل اللہ جو مخفی طور پر کیا جائے اس سے نفس کی بخیلی بہت زیادہ دور ہوتی ہے بہ نسبت اس انفاق فی سبیل اللہ کے جو ظاہر کر کے کیا جائے۔ کیونکہ مخفی انفاق کو تو کوئی دیکھ ہی نہیں رہا۔ مخفی انفاق تو ایسے ہے جیسے کہتے ہیں "جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا" خوب صورت تو لگتا ہو گا لیکن دیکھا ہی کسی نے نہیں تو کیا فرق پڑتا ہے ناچا یا نہ ناچا۔ ایسی کیفیت میں جب انسان مالی قربانی کرتا ہے تو تب خدا اسے دیکھتا ہے حالانکہ سب کو دیکھ رہا ہے مگر ایک حسن پر جب نگاہ پڑتی ہے تو اور طرح سے پڑتی ہے۔ آپ بھی تو رستہ چلتے ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔ سفر کرتے ہیں تو دیکھ رہے ہیں مگر وہاں نگاہ پڑتی ہے جہاں حسن آپ کو کھینچتا ہے، کسی موڑ پر کوئی خوبصورت وادی دکھائی دے تو وہ دیکھنا اور ہے اور ویسے سارا راستہ دیکھتے ہی تو جا رہے ہیں۔ اگر سوئے نہیں ہوتے تو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ تو ان معنوں میں خدا دیکھتا ہے کہ جہاں اس کو اپنا کوئی عبد مملوک دکھائی دے اس کی کوئی خوبصورتی چمک اٹھے تو تب اس پر نظر پڑتی ہے پس ایسا بندہ جو "سر" میں خرچ کرتا ہے اور اس حالت میں دنیا کی نظر سے غائب ہو جاتا ہے، دیکھنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں رہتا تب خدا اسے کئی طرح سے دیکھتا ہے۔ ایک تو اس طرح جیسے میں نے بیان کیا دوسرے اس طرح کہ جب میری خاطر اس نے چھپا لیا اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں تو میں اور میرے فرشتے اس کو دیکھیں گے اور اس نظر کی جو قدر و قیمت ہے اور اس کا جو فیض ہے وہ بھی اپنی ذات میں منفرد ہے۔ وہ انسان کے دیکھنے سے نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے فیض میں پھر نفس کی پلیدیاں دور ہوتی ہیں۔ خدا کی نظر مزکی ہے۔ خدا کا اپنے بندے کے حال کو دیکھنا جو کہ اس کے پیار میں ایک ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف حرکت کر رہا ہے وہ انسانی روح اور اس کی فطرت جو خدا کی خاطر سجتی ہے اسے پھر خدا اور نظر سے دیکھتا ہے اور وہ نظر خود اس کے سنگھار کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس کی پلیدیاں دور کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ یہ کوئی فرضی مضمون نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ ساری زندگی کا یہ تجربہ تھا کہ جب خدا دیکھ رہا ہو تو اس کے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ایسی بات لکھتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک زندگی کے تجربے کا مضمون ہے جو بیان ہو رہا ہے۔ وہ نظم نہیں آپ نے پڑھی۔ بارہا پڑھی یا سنی ہے "سبحان من یرانی" اب یہ کوئی جھوٹا سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ مصرعہ لگائے، ٹیپ کا مصرعہ بنائے "سبحان من یرانی" اس لئے کہ اس "یرانی" کے اندر جب بھی آپ اس کو دہراتے ہیں ایک نیا لطف محسوس کرتے ہیں اور اس خدا کی نظر کا ایک لمبا تجربہ ہے۔ پس جہاں بھی خدا کے دیکھنے کا مضمون پیدا ہوتا ہے اس میں یہ پس منظر بھی ضرور اس کے پیچھے جلوے دکھا رہا ہے خواہ آپ گہری نظر سے اسے نہ بھی دیکھ سکیں مگر ہوتا ضرور ہے۔

پس دیکھنے کا جو مضمون ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے میں اس کی بات اب کر رہا ہوں اس موقع پر وہ چسپاں ہوتا ہے۔ جب ایک انسان خدا کی خاطر "سر" کے ہاتھ سے کچھ خرچ کرتا ہے اس وقت خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہیں رہا۔ جب خدا دیکھتا ہے تو پھر ایسے آثار ظاہر فرماتا ہے کہ ایسا بندہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ میں خدا کی نظر میں ہوں۔ اور جو کسی ایسے وجود کی نظر میں ہو جس کی عظمت دل پر چھائی ہو، جس کے سامنے انسان کو اچھا بننے کی تمنا ہو تو لازم ہے کہ وہ پھر سنگھار کرے گا۔ اگر بیوی ہے جس کی طرف اس کے خاوند کی اگر اس سے اس کو پیار ہے، توجہ ہے تو ہر توجہ اس کو اپنی کوئی کمزوری دور کرنے کی طرف متوجہ کرے گی۔ کوئی داغ ہے وہ اسے دور کرے گی۔ کوئی خوب صورتی نہیں ہے وہ زائد اس پر پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا کہ اس کی پلیدیاں دور ہوتی ہیں اور حسن میں

بقیہ صفحہ ۱۱ سے

ہے۔ تو اللہ کرے کہ یہ غیرت کام آئے مگر وقف جدید کو دبا کے نہ آگے نکلیں۔ یہ نہ کریں کہ جو وقف جدید کے چندے دے رہے ہیں آپ کہیں کہ نہیں ہمارا بڑھاؤ، ان کا کم کرو۔ تو اللہ تعالیٰ سب کو ہی آگے بڑھنے کی توفیق بخشے لیکن بعض جو پرانی ترتیبیں خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہوئی ہیں وہ جب بدلتی ہیں تو تعجب ضرور ہوتا ہے۔ برطانیہ نمبر چار ہے، کینیڈا نمبر پانچ، انڈونیشیا چھ، سوئٹزرلینڈ سات، ماریشس آٹھ، جاپان نو اور ہندوستان دس۔ اس پہلو سے ہندوستان نے کافی ترقی کی ہے۔ پہلے ان چندوں میں ہندوستان بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اب خدا کے فضل سے نئی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔

باقی صفحہ ۱۰ پر

اضافہ ہوتا ہے۔

اگر اس مضمون کو اس طرح نہ سمجھیں تو مال خرچ کرنے سے کیوں پلیدیاں دور ہوئیں، کیوں حسن میں اضافہ ہوا، اس کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"یہ دونوں حالتیں مذکورہ بالا جو پہلے اس سے ہوتی ہیں ان میں یہ پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایک چھپی ہوئی پلیدی ان کے اندر رہتی ہے"۔

پھر فرماتے ہیں:۔

"اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دینا یہ کسب خیر ہے جس سے نفس کی ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دور ہو جاتا ہے"۔

مالی نظام محض جماعتی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نہیں ہے۔ ہر اس فرد کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ہے جو اس مالی نظام میں حصہ لیتا ہے

اب بخل کو سب ناپاکیوں سے بدتر قرار دیا ہے۔ یہ بھی بہت ہی گہرا مضمون ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ بخل ہر فیض سے انسان کو محروم کر دیتا ہے کیونکہ اللہ سے تعلق توڑ دیتا ہے۔ خدا سے تعلق کے قیام کے لئے قرآن نے انفاق فی سبیل اللہ ضروری شرط بیان کی ہے۔ کیونکہ خدا اپنے بندوں پر ویسے ہی مہربان ہوتا ہے یا ان سے صرف نظر فرماتا ہے جیسے وہ اس کے بندوں سے کرتے ہیں یا اس کے دین سے کرتے ہیں۔ جو شخص خدا کے دین کے لئے بخیل ہوگا، جو شخص خدا کے بندوں کے لئے بخیل ہوگا، ضرورت مندوں کے لئے بخیل ہوگا اللہ اسی حد تک اس سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ اور "ان عند ظن عبدی بی" کا ایک یہ بھی معنی ہے کہ میں اپنے بندے کے اس ظن کے مطابق ہو جاتا ہوں جو وہ میرے متعلق کرتا ہے۔ اگر وہ ظن خیر ہے تو خود بھی ویسا ہی بنے گا۔ اگر وہ ظن بد ہے تو وہ خود بھی ویسا ہی بن رہا ہوگا تو اللہ اس سے ویسا ہی سلوک کرنے لگ جاتا ہے۔ پس اگر وہ بخیل ہے تو اسی حد تک اپنے فیض کا ہاتھ اس سے روک لیتا ہے تبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہر پلیدی سے بدتر اور بدبخت پلیدی بخل ہے کیونکہ جو فیض کے لافانی چشمے سے محروم رہ جائے اس سے زیادہ پلید اور کیا چیز ہوگی۔ اس میں تو کچھ بھی نہیں رہتا سوائے گند کے۔

پس مالی نظام محض جماعتی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نہیں ہے۔ ہر اس فرد کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ہے جو اس مالی نظام میں حصہ لیتا ہے۔ اور مالی نظام میں اس کی روح کو سمجھتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو "سرا"، جہاں تک ممکن ہو جرا بھی حصہ لینے کے نتیجے میں جو فیض جماعت پاتی ہے اس پر ہر فرد جماعت گواہ ہے۔ اتنے مختلف طریق سے یہ فیض عطا ہوتے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے اور اس طرح خدا ان کو بعض دفعہ گنتی کر کر کے ان کی قربانیاں واپس کرتا ہے اس لئے نہیں کہ خدا زیادہ دے نہیں سکتا اس لئے کہ فوراً زیادہ دیا جائے تو ان کو پتہ ہی نہیں لگے گا کہ کیوں ملا ہے۔ مگر ایک شخص ہے جس نے اپنی جمع شدہ پونجی میں سے کل کی کل پیش کرنے کا فیصلہ کر دیا جب کہ دوسری ضروریات تھیں مثلاً چار ہزار دو سو بائیس مارک تھے غالباً یہی تعداد تھی، Figure تھی۔ اس نے کہا میں نے اب دے دینا ہے ورنہ پھر کوئی پتہ نہیں کہاں چلا جائے۔ اور اس کے بعد اس کو ایک ایسی رقم ملتی ہے جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں تھا اور وہ شمار کرتا ہے تو بعینہ چار ہزار دو سو بائیس مارک بنتی ہے۔ اب کوئی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے میں بڑھا کے دیتا ہوں تو یہ کیوں دیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بڑھانے کا مضمون بھی سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مال جب بڑھایا جاتا ہے۔ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ دیا جاتا ہے تو خوشی ہی تو بڑھائی جاتی ہے اور اس میں کیا چیز ہے۔ اگر مال بڑھے اور خوشی نہ ہو تو مال جیسا بڑھا ویسا نہ بڑھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے بندوں کو اور کن بندوں کو کس طرح زیادہ خوشی پہنچا سکتا ہوں۔ ایسا شخص جس کو یہ علم ہو جائے کہ اللہ کے علم میں آ چکا ہوں اور اس نے مجھے بتانے کے لئے مجھ سے یہ احسان کا سلوک کیا ہے وہ تو چھلانگیں مارتا پھرتا ہے۔ اس کو تو اگر چار لاکھ مارک بھی مل جاتے تو ایسی خوشی نصیب نہ ہوتی جیسی اس طرح خوشی نصیب ہوئی کہ اللہ کی خاطر میں نے قربانی کی، اللہ نے مجھ پر نظر فرمائی اور دیکھو کس طرح مجھے بتا بھی دیا کہ تمہاری قربانی رائیگاں نہیں جاتی، میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ دیکھنا ہے جو "سر" والوں کو نصیب ہوتا ہے اور یہ وہ دیکھنا ہے جو بتاتا ہے کہ "سر" تو تم کرتے ہو خدا کی خاطر مگر خدا سے کوئی "سر" نہیں ہے۔ اس کی نظر ہر جگہ پہنچتی ہے، ہر تاریک گوشے پر بھی پڑ رہی ہے اور یہ جو عطا ہے یہ سب سے بڑی عطا ہے اور نفس کی پلیدیاں دور ہونے کا ایک سلسلہ ہے جو شروع ہو جاتا ہے۔ جس آدمی کو یہ احساس ہو جائے کہ اللہ مجھ سے پیار کرتا ہے لازم ہے کہ وہ پھر اپنے لئے پاکیزگی کے رستے تلاش کرے، اپنے آپ کو پاکیزہ تر کرنے کی کوشش شروع کر دے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس پیغام کو سمجھیں تو مالی قربانی کسی بھی مقام پر بوجھ محسوس نہیں ہوگی۔ اور جتنی بھی زیادہ تحریکیں ہونگی آپ کو اور زیادہ خوشی محسوس ہوگی۔ اگر للہ دے رہے ہوں اور ہر توفیق پر آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ پس دیکھیں کس طرح بے اختیار یہی آیت اس کے بعد فرماتی ہے "فھو ینفق منہ سرا و جھرا ھل یستون"۔

کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں۔ "الحمد للہ" یہ جو الحمد للہ ہے یہ وہی الحمد کا مضمون ہے جو کھول کر آپ کے سامنے رکھا ہے۔ بے اختیار ایسا شخص جس کو اپنے اندر اور عبد مملوک کے درمیان فرق محسوس ہو جاتا ہے، جو خدا کے مملوک ہونے کا فیض پاتا ہے جانتا ہے یہ مائدہ ان پر اترا ہے۔ اس کے منہ سے تو بے اختیار الحمد للہ نکلتی ہے اور اللہ نے اس کی جگہ یہی فرما دیا ہے۔ فرماتا ہے تمہارے دلوں کا حال میں جانتا ہوں جب یہ فرق ہوگا تو حمد میں ڈوب جاؤ گے، تمہاری زندگی کا ذرہ ذرہ اللہ کی حمد بن جائے گا "بل اکثرھم لا یعلمون" لیکن افسوس کہ اکثر کو پتہ ہی نہیں کہ کیا نیکیاں ہیں، کیا خیرات ہیں، کیا لطف کے قصے ہیں جن کی ان کو کانوں کان خبر نہیں ہے۔

پس تحریک جدید کی قربانی ہو یا دوسرے اموال کی قربانی یہ درست ہے کہ جوں جوں ذمہ داریاں بڑھ رہی ہیں اور خدا کے انعامات زیادہ نازل ہو رہے ہیں، مالی ضرورتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں ان کو پورا کرنے کی خاطر ہی آپ دیں گے مگر دیں اس طرح جس طرح قرآن نے فرمایا ہے۔ اس روح کے ساتھ دیں جس کے اوپر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روشنی ڈالی ہے تو آپ کی مالی قربانیاں دنیا میں بھی پھلیں گی اور آخرت میں بھی پھلیں گی اور آپ کے لطف تو بڑھتے چلے جائیں گے اور جو تکلیفیں خدا کی خاطر آپ اٹھاتے ہیں ان میں لذت آنی شروع ہو جائے گی۔ پس جس کی تکلیفیں بھی خوشیاں ہوں اس سے زیادہ کامیاب اور کون ہو سکتا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور اس مضمون کی گہرائی تک ہمیں اس پر عمل کرنے کی استطاعت بخشے۔

اب مختصر وقت میں میں موازنہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ الحمد للہ کہ تحریک جدید دفتر اول کا اکسٹھواں سال اب ۳۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ختم ہوا ہے اور اب باسٹھواں سال طلوع ہو رہا ہے۔ پہلے میں دفتر اول، دفتر دوم، دفتر سوم، دفتر چہارم کے سالوں کے متعلق یہ کہا کرتا تھا مگر میں نے سوچا ہے کہ اس سے بہت سے لوگوں کے دماغ Confuse سے ہو جائیں گے۔ دفتر خواہ چار ہوں یا پانچ ہوں سال ایک ہی ہے جو اکٹھا طلوع ہوتا ہے، اکٹھا ختم ہوتا ہے۔ دفتر سے مراد صرف اتنا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ۱۹۳۴ء میں پہلی بار تحریک میں شمولیت اختیار کی تھی اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج تک زندہ ہیں ان کے اکسٹھ سال پورے ہوئے اور باسٹھواں سال شروع ہونے والا ہے۔ یہ دفتر اول ہے۔ جنہوں نے دس سال کے بعد یا بیس سال کے بعد، اس کی تفصیل اب مجھے یاد نہیں مگر مختلف وقتوں میں مختلف دفاتر کا اضافہ ہوا ہے، شمولیت اختیار کی ان کا سال تو اکٹھا ہی ختم ہوگا لیکن ان کی قربانی کا سال اکسٹھواں نہیں بلکہ چونتیسواں یا پچیسواں یا جو بھی صورت ہو وہ سال ختم ہوگا اور ایک نئے سال میں داخل ہونگے۔ پس چاروں دفاتر جو مختلف وقتوں میں جاری ہوئے ان سب کا تحریک جدید کا سال اس ماہ اکتوبر میں ختم ہوا اور اب نومبر سے نیا سال شروع ہو رہا ہے۔

اس ضمن میں تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا قدم ترقی کی جانب ہے اور پہلے سے بڑھ کر مالی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ موازنے جب پیش کئے جاتے ہیں تو بعض تنگی مزاج لوگ اس قسم کے خط لکھتے ہیں کہ آپ کے اعداد و شمار میں صحیح تصویر ظاہر نہیں ہوئی کیونکہ آپ نے Inflation کو نظر انداز کر دیا اور آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس روپے کی قیمت پچھلے سال کتنی تھی اور اس سال کتنی ہے۔ اگر میں یہ بتانے لگ جاؤں تو ایک سو پچاس ملکوں کی Inflation کے تذکرے میں کئی خطبے خرچ ہو جائیں گے۔ عام باتیں ہر آدمی کو سمجھ ہے اس کے لئے کسی بڑے اکانومسٹ کی ضرورت نہیں۔ مہنگائی کا احساس تو وہ ہے جو غریب سے غریب، نادان سے نادان کو بھی ہے بلکہ اس کو زیادہ ہے۔ کیا جاہل کو یہ پتہ نہیں کہ ہم مصیبت میں مبتلا ہیں، مہنگائی ہو رہی ہے۔ اس لئے کسی کو غلط فہمی نہیں ہو رہی کہ ہم نے اپنی ترقی کے اعداد و شمار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے گویا دنیا کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے سوائے ایسے شخصوں کے کوئی دھوکے میں مبتلا نہیں۔ سب کو پتہ ہے کیا ہو رہا ہے۔

اور دوسرا ایک بات یہ بھول جاتے ہیں، ان کو وہم ہے شاید یعنی ایک آدمی نہیں کئی لکھتے ہیں، ایسے لوگوں کو شاید یہ وہم ہے کہ جس ملک میں Inflation ہوگی، مہنگائی ہوگی اسی نسبت سے ہر شخص کی آمدنی بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے جب تک مہنگائی کا خانہ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ چندہ نہ دے گا اس وقت تک اس کی قربانی کو اگلا قدم نہیں کہہ سکتے۔ یہ بھی بالکل نادانی ہے۔ بسا اوقات مہنگائی ہوتی ہے اور

بقیہ صفحہ ۱۱ سے

فی کس مالی قربانی کے لحاظ سے سوئٹزرلینڈ نمبر ایک ہمیشہ کی طرح اور بہت فرق ڈال گیا ہے باقی جماعتوں سے، جاپان نمبر دو، امریکہ نمبر تین، بلجیئم نمبر چار، برطانیہ نمبر پانچ اور اس کے قریب قریب ہی جرمنی بھی ہے یعنی معمولی فرق کے ساتھ کیونکہ عموماً وہاں جماعت غریب ہے اس لئے فی کس قربانی کے معیار کے لحاظ سے وہ بعض دفعہ نسبتاً کم قربانی کرنے والی جماعتوں سے بھی پیچھے رہ جاتے ہیں مگر اجتماعی قربانی میں وہ خدا کے فضل سے بہت آگے ہیں۔ اور مجاہدین کی تعداد کے لحاظ سے اب وقت نہیں رہا بہت سے ممالک ہیں جو ترقی کر کے آگے آ رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو مالی قربانی کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے ظاہر کا حق بھی پورا کرنے کی توفیق بخشے اور اس کے باطن کا بھی "جہر" کا بھی اور "سر" کا بھی، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

آمدنیں اس رفتار سے نہیں بڑھ رہی ہوتیں ورنہ وہ مہنگائی تو کوئی مہنگائی نہیں ہے جس کے ساتھ ساتھ آمدنیں بھی اسی رفتار سے بڑھ رہی ہوں۔ ہمیشہ وہ مہنگائی چٹکیاں لیتی ہے جس مہنگائی کے ساتھ آمد کی رفتار ویسی نہ ہو۔ پھر لوگ شور مچاتے ہیں حکومت پھر جا کر کہیں تنخواہوں میں اضافے کر دیتی ہے۔ کچھ غریب ہیں جن کی مزدوری اتنی ہی رہتی ہے بے چاروں کی۔ لیکن جن کے اضافے ہوتے ہیں وہ بھی اتنے نہیں ہوتے جتنی مہنگائی بڑھ رہی ہوتی ہے۔ تو جب ملک غربت کی طرف سفر کر رہے ہوں اس کے باوجود قربانی زیادہ ہو رہی ہو تو قابل فخر ہے اور مومنوں کے لئے اس فخر میں انکساری کا پہلو بھی شامل ہے۔ اور بھی زیادہ وہ خدا کے حضور تشکر سے جھکتے ہیں کہ تو نے ہمیں آگے قدم بڑھانے کی توفیق بخشی۔

پس اس قسم کے اقتصادی سبق مجھے نہ دیا کریں۔ مجھے علم ہے میں نے وقف جدید میں اس کثرت سے مختلف پہلوؤں سے چارٹ بنائے تھے جن سے حقیقی قدم آگے بڑھنے یا نہ بڑھنے کے پہلو کے اوپر ہر طرح سے روشنی پڑتی تھی اور جو ماہرین اقتصادیات آ کے دیکھتے تھے کبھی انہوں نے ایک بھی ایسا اشارہ نہیں کیا کہ یہ بھی ہو جائے تو اور بہتر ہو جائے گا۔ اللہ کے فضل سے ایک نظر سے آپ کمرے میں گھوم جائیں آپ کو سب کچھ پتہ چل جائے گا۔ مگر اس غرض سے نہیں تھا کہ ساری جماعت میں یہ تفصیلیں پیش کی جائیں۔ اس غرض سے تھا کہ میری نظر رہے کہ جب ہمارا چندہ بڑھتا ہے تو عملاً کیا ہوا ہے۔ اور آسان بات دیکھنے والی صرف یہ ہے جو ہر ایک سمجھ سکتا ہے اس کو چارٹوں کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ جماعت کے کام ترقی پذیر ہیں کہ نہیں۔ جماعت کے بڑھتے ہوئے اخراجات پورے ہو رہے ہیں کہ نہیں۔ اگر بڑھتے ہوئے اخراجات پورے ہو رہے ہیں اور اخراجات بڑھ رہے ہیں اور پورے بھی ہو رہے ہیں تو یہ کہنا کہ شاید Inflation کی وجہ سے دھوکہ لگ گیا ہو جماعت نے زیادہ قربانی نہیں کی، نہایت ہی بے وقوفی کی بات ہے۔ آمد کا بڑھنا خرچ سے تعلق رکھتا ہے اگر بڑھتے ہوئے خرچ پورے ہو رہے ہیں تو لازماً آمد بڑھ رہی ہے۔ کوئی اقتصادیات کا ماہر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ فرضی آمد بڑھائی گئی ہے۔ جب حقیقی ضرورت پوری ہوگی تو آمد کیسے فرضی ہو جائے گی۔

> **تحریک جدید کی قربانی ہو یا دوسرے اموال کی قربانی یہ درست ہے کہ جوں جوں ذمہ داریاں بڑھ رہی ہیں اور خدا کے انعامات زیادہ نازل ہو رہے ہیں مالی ضرورتیں بھی بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کی خاطر ہی آپ دیں اس طرح جس طرح قرآن نے فرمایا ہے**

پس اس پہلو سے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو یہ توفیق بخشی ہے کہ گزشتہ سب سالوں پر جن پر میری نظر ہے ہمیشہ ترقی ہوئی ہے۔ ایک بھی سال ایسا نہیں آیا کہ ہمارے خرچ رک جائیں اور ہمیں ہاتھ کھینچ کر اس لئے خرچ کرنا پڑے کہ آمد پیچھے رہ گئی ہے۔ خواہشات کے مقابل پر تو ہاتھ کھینچنے پڑتے ہیں اس میں تو کوئی شک نہیں۔ زیادہ کی خواہش تو ہمیشہ رہتی ہے۔ مگر جو خرچ گزشتہ سال ہوئے تھے اس کے مقابل پر کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ خرچ پورے نہ ہو سکے ہوں بلکہ اس سے زیادہ خرچ پورے ہوتے ہیں۔ پس اعداد و شمار جو بھی بولیں یہ حق گواہی دیتے ہیں کہ جماعت کی قربانی کا قدم آگے کی طرف ہے اور پھر الحمدللہ کا مضمون ہے جو دل سے بے اختیار اٹھتا ہے۔

اس ضمن میں خلاصہ یہ ہے کہ جواب تک ستر (۷۰) ممالک کی رپورٹیں ملی ہیں ان کے مطابق وعدہ جات چھ کروڑ باون لاکھ انچاس ہزار تھے اور وصولی چھ کروڑ پانچ ہزار دو صد چار روپے ہے۔ وصولی اگرچہ تھوڑی ہے لیکن یہ تحریک جدید کا دستور ہے کہ جب ہمیں رپورٹیں پہنچتی ہیں تو اس وقت اور سال ختم ہونے کے درمیان بہت سی وصولیاں ہیں جو چلی ہوئی ہیں اور وہ رپورٹ بنانے والے سیکرٹری کے علم میں اس وقت نہیں ہوتیں۔ اس لئے حقیقی رپورٹ بنتی ہے ۱۵ دن یا ایک مہینے کے بعد اور اس رپورٹ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیشہ خدا کے فضل سے وعدوں سے وصولیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے جو تھوڑی سے کمی دکھائی دیتی ہے اس میں پریشانی کی بات نہیں۔ کرنسی جو ہم نے اس کو سٹرلنگ میں تبدیل کیا ہے اس حساب سے تیرہ لاکھ اکتیس ہزار چھ صد بیس پاؤنڈ کے وعدے تھے اور بارہ لاکھ چوبیس ہزار پانچ صد چھیانوے پاؤنڈ کی وصولیاں ہیں۔ ان میں جو کمی ہے وہ زیادہ تر مشرقی ممالک کی ہے۔ جہاں تک مغربی ممالک کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سب میں اب تک کی وصولی کی اطلاع کے مطابق وعدوں سے ہر جگہ وصولی بڑھ گئی ہے۔ اس سے جماعت کی قربانی کے ساتھ اس کے ولولے کا بھی پتہ چلتا ہے اور غریب ممالک میں کچھ یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ وعدے کئے تھے اس وقت حالات بہتر تھے بعد میں حالات گر گئے۔ کچھ یہ بھی ہوتا ہے کہ نظام مواصلات کمزور ہے دیر کے بعد اطلاعیں ملتی ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں ٹیلی فون بھی نہیں ہوتے تو اس لئے زیادہ تر جو کمی ہے وہ ان علاقوں میں ہے اور جہاں سے فوراً خبریں ملتی ہیں وہاں صورت حال بہت بہتر ہے۔

تعداد مجاہدین کے لحاظ سے بھی یہ بہت ہی ضروری ہے کہ ہم اس پر نظر رکھیں کیونکہ اگر کوئی ایک آنہ بھی خدا کی راہ میں دینے والا پیدا ہو جس کو پہلے عادت نہیں ہے اور آنہ بھی تکلیف دے رہا ہے تو اس کی اصلاح کا بھی آغاز ہو گیا۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ اب یہ شرطیں بھول جائیں کہ چھ روپے یا بارہ روپے یا چوبیس روپے کم سے کم چندہ ہے۔ مجھے اس ظاہری فائدے کی ضرورت تو ہے جماعت کی خاطر مگر زیادہ میری نظر اور حرص اس مخفی فائدے میں ہے جو مالی قربانی سے وابستہ ہے۔ اور نئے آنے والے خصوصیت سے جو آٹھ لاکھ چالیس ہزار سے زائد کی تعداد میں پچھلے سال آئے تھے اگر آپ نے ان سے کچھ کچھ مالی قربانی وصول نہ کرنا شروع کی تو ان کی تربیت کے آپ اہل نہیں رہیں گے۔ اس لئے کوشش کریں کہ وہ آٹھ لاکھ کے آٹھ لاکھ مگر آٹھ لاکھ تو اس طرح شامل نہیں ہو سکتے، اس میں بچے بھی شامل تھے، نہ کمانے والے بھی تھے، مگر یہ شرط لگائیں کہ آٹھ لاکھ کا وہ فعال حصہ جو غریب ہے تو اپنی غریبانہ معیشت کے ذریعے وہ اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے وہ بھی دین کی ضرورتیں پوری کرنے میں کچھ نہ کچھ حصہ لے خواہ تھوڑا ہی ہو۔ اور شروع میں اتنا صرف لیا جائے جو وہ بشاشت سے دے سکے اور اس بشاشت کی خیر سے وہ پھر آگے جا کر اور زیادہ فیوض حاصل کرے گا، اس کو اور زیادہ قربانیوں کی توفیق ملے گی، اس کا دین سنورے گا، اس کی وابستگی کا احساس زیادہ مضبوط ہو گا، اس کے ایمان میں جیسا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا صلابت پیدا ہو جائے گی۔

پس تحریک جدید کے جو شامل ہونے والے اعداد و شمار ہیں وہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ابھی اس پہلو سے بہت سا خلا ہے۔ جب سے بار بار ہدایت کی گئی ہے جماعت نے ترقی تو بہت کی ہے اور اس سال خدا کے فضل سے مجاہدین کی تعداد ایک لاکھ سڑسٹھ ہزار سے بڑھ کر ایک لاکھ اکیاسی ہزار دو سو انتیس ہو چکی ہے۔ اور یہ چندہ دہندگان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی خوش کن ہے۔ کیونکہ اگرچہ بہت بڑی جماعت ابھی خالی پڑی ہوئی ہے لیکن ان میں ابھی بہت سے تربیت کے کام کرنے والے ہیں، ان کو عادت بنانی ہے اور تحریک جدید کے چندے سے پہلے کچھ نہ کچھ ہمیں بنیادی چندہ ضرور وصول کرنا ہو گا کیونکہ اس کے بغیر طوعی چندے چل نہیں سکتے۔ پس اس لحاظ سے میرا نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ نئے آنے والوں کو ضرور شامل کریں۔ اس میں رعایت ان کو دے دیں میری طرف سے اجازت ہے سولہواں حصہ کی شرط بے شک نہ لگائیں۔ مگر جب وہ پورا اس بات کا شعور حاصل کر لیں اور ان کو اس بات کا لطف آئے کہ ہم باقاعدہ جماعت کے چندہ دہند ہیں اور مالی نظام میں شامل ہو گئے ہیں پھر طوعی تحریکات کر کے اس تعداد کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس طرح انشاء اللہ بہت کثرت کے ساتھ تحریک جدید، وقف جدید وغیرہ میں لوگ شامل ہونگے اور جتنا زیادہ ان کو چندے کی عادت پڑے گی اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے وہ برکتیں حاصل کریں گے اور اس کے قرب کے نشان دیکھیں گے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مالی قربانی کرنے والوں کو خدا اس نعمت سے محروم رکھے۔

خلاصۃً اب صرف فہرست پڑھ دیتا ہوں۔ امسال بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت جرمنی کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ دنیا بھر کی جماعتوں میں تحریک جدید کے چندے میں اول آئی ہے اور جو لازمی چندے ہیں ان میں بھی اول آئی ہے۔

بعض دوسری جماعتیں بہت زور لگا رہی ہیں مگر اللہ کا احسان ہے جس کو توفیق مل گئی مل گئی۔ ہمیں حسد نہیں ہے صرف رشک ہونا چاہئے۔ اس لئے ان کی خوشیوں میں وہ جماعتیں بھی شامل ہونی چاہئیں جن کی پوری کوشش تھی کہ ان سے آگے بڑھ جائیں لیکن نہیں بڑھ سکے۔ دوسرے نمبر پر پاکستان ہے اور ان کے درمیان ایک لاکھ پاؤنڈ کا فرق رہ گیا ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کریں کہ وہ بے چارے جو پاکستان میں دینی لحاظ سے بھی کمزور تھے ویسے بھی ان کے آنے سے پاکستان کے چندوں کو پتہ بھی نہیں لگا کتنا فرق پڑا ہے۔ اکثر بہت تھوڑا دیا کرتے تھے تو یہاں آ کر خدا نے ان کو کیسی ہجرت کی برکتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کے اموال کشادہ کر دئے، ان کے دل کشادہ کر دئے اور اب وہ اپنے آبائی وطن کو ان قربانیوں میں بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ امریکہ جو مسلسل خدا کے فضل سے ترقی پذیر ہے اور توازن کے ساتھ، امریکہ کی جماعت میں یہ خوبی ہے کہ ان کی قربانیوں میں توازن بہت ہے۔ تحریک جدید کا چندہ ہے ایک لاکھ پچھتر ہزار پاؤنڈ اور وقف جدید کا چندہ ہے اٹھانوے ہزار۔ وقف جدید میں دنیا میں سب سے اول ہیں۔ تحریک جدید میں تیسرے نمبر پر لیکن توازن یہ ہے کہ تحریک جدید کا چندہ وقف جدید سے آگے ہے۔ پاکستان میں پتہ نہیں کیوں یہ توازن بگڑ گیا ہے۔ اس سے پتہ چل رہا ہے کہ تحریک جدید کی انتظامیہ اپنے فرائض سے غافل ہے۔ ورنہ میں جانتا ہوں وقف جدید کو خدا تعالیٰ نے بڑی برکت دی ہے مگر ہمیشہ جماعت میں یہ بات راسخ رہی ہے کہ پہلے تحریک جدید پھر وقف جدید۔ اب مالی قربانی میں توازن بالکل الٹ گیا ہے یہ وقف جدید کے لئے تو بہت خوشی کی بات ہے مگر ہم سب کے لئے فکر مندی کی بات بھی ہے۔ تحریک جدید نے کیا کیا ہے جو ان کا تاثر وہاں کچھ عجیب سا، پھیکا سا پڑ گیا ہے۔ اور کوئی وجہ ضرور ہے یا ان کی تحریکوں کی طرز وہی پرانی ٹکسالی کی چلی آ رہی ہے جب کہ زمانے بدل چکے ہیں۔ وہی چھ پر زور، بارہ پر زور اور اس قسم کی رسمی باتوں پر۔ چندے لینے ہیں تو دلوں کو کشادگی عطا کریں۔ ان کو ایسی باتیں پہنچائیں جن سے دل تازہ ہوں، حوصلے بڑھیں، رشک کے جذبات پیدا ہوں۔ مگر محض چند امیروں کے پیچھے پڑ جانا یا رسمی طور پر کم سے کم مقرر کر کے سب کو کہنا کہ آپ پر لازم ہے بارہ حضرت مصلح موعودؓ نے مقرر کیا تھا، چوبیس اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے زمانے میں مقرر کیا اس سے کم آپ نے نہیں لینا یا ضرور پورا کریں، اس سے تحریک کوئی نہیں ہوتی۔ صرف یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں کوئی ڈانٹ رہا ہے کہ ہم بڑے نکمے لوگ ہیں۔ تو میں بھی آپ کو ڈانٹ نہیں رہا میں کچوکے دے رہا ہوں۔ تحریک جدید اٹھے اور خیال کرے کہ ایک پیچھے سے آنے والا گھوڑا جو بہت پیچھے تھا وہ اتنا آگے نکل گیا

باقی صفحہ 9 پر

اپنے خاندانی تعلقات کو بہتر بنائیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"میں نے بارہا نصیحتیں کی ہیں کہ اپنے خاندانی تعلقات کو بہتر کریں۔ اپنے روزمرہ تعلقات میں سوچیں کہ صلہ رحمی کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ کس طرح بار بار میں نے آپ کو سمجھایا ہے کہ ساسوں کو چاہیئے کہ دوسروں کی بیٹیاں جب اپنا گھر چھوڑ کر ان کے گھر میں آجاتی ہیں تو وہ ان پر رحم کیا کریں۔ اپنی بیٹیاں سمجھا کریں۔ اور بہوؤں کو سمجھایا ہے کہ تم اپنے دوسرے گھروں میں جا کر اپنی ماں کی طرح سلوک کیا کرو۔ لیکن اس کے باوجود لوگ سنتے ہیں اور شاید دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ یا سنتے ہی نہیں اور محض ظاہری طور پر کانوں کے پردے مس نعش ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ شکایتیں پھر بھی آتی رہتی ہیں۔ بڑے بڑے تکلیف دہ خط بعض بچیوں کے ملتے ہیں کہ ہم گئیں ہماری جو نسبتی بہنیں ہیں وہ اس طرح سلوک کرتی ہیں گویا کہ میں نے ان کے بھائی پر ڈاکہ ڈالا ہوا ہے۔ اور وہ جب تک مجھے ذلیل و رسوا نہ کر دیں کہ یہ ہمارا زیادہ ہے اور تمہارا کم ہے۔ اس وقت تک ان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ ساسیں ہیں جو ہر وقت میرے خاوند کے کان بھرتی رہتی ہیں ..... کہ جب تک تم اس کو رسوا کر کے ذلیل کر کے میرے سامنے جھکاؤ نہیں تم میرے بیٹے نہیں اور اس میں یہ نقص ہے اس میں وہ نقص ہے۔ اس کے برعکس دوسری طرف سے بھی شکایتیں ملتی ہیں۔ تو وہ راہیں کونسی تھیں جن راہوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو پایا۔ ان میں سے ایک راہ صلہ رحمی کی راہ تھی۔ اپنے خاندانی تعلقات کو درست کیا۔ اور کوئی رشتہ دار آپؐ کا انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو کسی قسم کی شکایت پہنچی ہو۔"

(خطبہ فرمودہ ۱۳۔ اپریل ۱۹۹۰ء)

جناب میاں طفیل محمد صاحب کا انٹرویو

تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی افسوس ناک سازش

فکر مودودی، پاکستان دشمنی، سیاسی اقتدار اور اسلام سے بے وفائی کا نام ہے

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت ۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

(دوست محمد شاہد)

جس طرح کوفہ کی نواحی بستی حروراء اور خوارج لازم و ملزوم ہیں۔ لبنان کے "قلعہ الاموات" کے ذکر سے حسن بن صباح اور اس کی دہشت پسند فدائی تنظیم کا نام خود بخود زبانوں پر آ جاتا ہے۔ اسی طرح "منصورہ پلان" کے تصور سے جو شخصیت ابھر کر ہوتی ہے وہ میاں طفیل محمد صاحب ہیں جو ۱۹۱۴ء میں کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں لاء کالج سے بی اے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا جس کے بعد کپورتھلہ میں وکالت شروع کر دی۔ وکالت میں ناکام ہوئے تو ٹھیکیدار بن گئے۔ پھر نواں کوٹ لاہور سے لوہے کے کیل کانٹے کی ورکشاپ کھولی۔ سخت خسارہ کے بعد یہ کاروبار بھی ٹھپ ہو گیا۔ آپ جماعت اسلامی کے بانی ارکان میں سے ہیں جو قیام جماعت (۲۵، ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء) ہی سے تحریک سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں بانی جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی امارت سے سبکدوش ہوئے تو جماعت کے امیر مقرر کئے گئے۔ پندرہ سال بعد ۶ نومبر ۱۹۸۷ء کو نئے منتخب امیر قاضی حسین احمد صاحب کے لئے یہ مسند خالی کر دی اور اب منصورہ کے ادارہ سے منسلک ہیں۔ [رسالہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور جلد ۱۰ نمبر ۶ صفحہ ۱۳۔ "تحریک اسلامی" صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳، مرتبہ خورشید احمد ناشر ادارہ چراغ راہ کراچی۔ "ترجمان القرآن" لاہور نومبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۴۳۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد دوم]۔ جماعت اسلامی کی تاریخ پر جو کتابیں تالیف کی جا رہی ہیں ان کی اصلاح و تدوین میں مشغول ہیں مگر یہ افسوس ناک المیہ ہے کہ اپنی جماعت ہی کی تاریخ مسخ کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور نہایت واضح ثبوت ان کا وہ تازہ انٹرویو ہے جو انہوں نے حال ہی میں جناب مودودی صاحب کی برسی کے موقع پر نعمان یاسر صاحب قریشی کو دیا ہے اور ہفت روزہ "زندگی" لاہور (شمارہ ۲۲ تا ۲۸ نومبر ۱۹۹۵ء) ص ۷، ۸ پر سپرد اشاعت ہوا ہے: خصوصاً مودودی صاحب کی ذات شریف پر لب کشائی کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان کی فدائیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں۔ وجہ یہ کہ ان کا عقیدہ ہے "مولانا مودودی ... اسلام کے ہر مسئلہ میں سند تھے اور سند ہیں" (قاصد کشمیر نمبر ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۷ کالم ۲)۔ حالانکہ جماعت اسلامی کے بعض لیڈر تحقیقاتی عدالت پنجاب کے دوران یہ عدالتی بیان دے چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے معنی ہی یہی ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے تمام معاملات میں "آخری سند" ہیں۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۳۵ مطبوعہ ۱۹۵۴ء)۔
بالفاظ دیگر جناب طفیل محمد صاحب خواہ زبان سے اقرار کریں یا نہ کریں اس تعریف کی رو سے وہ دل سے مودودی صاحب کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے ممدوح کی شان اور کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے مبالغہ آرائی، غلط بیانی اور مغالطہ آفرینی سے دریغ کر سکیں۔ چنانچہ اپنے انٹرویو میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ مولانا قیام پاکستان کے مخالف تھے مولانا کا سارا لٹریچر قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔ مولانا تو یہ کہتے تھے کہ اگر پاکستان کو صحیح اسلامی ریاست بنانا ہے تو ہمیں سچے اور مخلص مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ اس تحریک میں کمیونسٹوں، قادیانیوں، رشوت خوروں، جاگیرداروں اور خانوں کو شامل کیا تھا جو اسلام سے مخلص نہیں ہیں اور انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔

یہ الفاظ جوان کی زبان سے بے ساختہ نکل گئے ہیں اس بات کا بدیہی ثبوت ہیں کہ تحریک پاکستان کے جہاد کے دوران مودودی صاحب ان کانگرسی ہندو لیڈروں، نیشنلسٹ علماء، جمعیت علماء ہند اور احراری مولویوں کی صف میں کھڑے تھے جو قائداعظم اور ان کے رفقاء نیز تحریک پاکستان کو انگریزوں کا ایجنٹ اور خود کاشتہ پودا قرار دیتے تھے اور مسلمانان ہند کی ملی جدوجہد اور ان کے قومی جسد میں چھرا گھونپ رہے تھے۔ میاں صاحب کا یہ فرمان کہ مودودی نے رسالہ "مسئلہ قومیت" اور "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اول و دوم میں دو قومی نظریہ کی زبردست ترجمانی کی تھی۔ محض "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہے کیونکہ بقول شاعر۔

یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

ادھر مسلمانان ہند نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر قرارداد پاکستان پاس کی ادھر دو قومی نظریہ کے یہ نام نہاد "پیامبر" قائداعظم، مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے خلاف میدان عمل میں آ گئے اور مصری تحریک "الاخوان المسلمون" کی نقالی میں ایک نئی جماعت محض اس وجہ سے قائم کر لی کہ مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمان کہیں مطالبہ پاکستان سے متاثر نہ ہو جائیں اور اگر پاکستان قائم ہو بھی جائے تو اس جماعت کے "خدائی فوجدار" اسلام کے نام پر اس میں ایسے حالات پیدا کر دیں کہ اس کے باشندے مودودی صاحب کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیں اور انہیں مودودی اسلام کے نفاذ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے۔

اگر تاریخ کا کوئی طالب علم ۵۴ سال پر محیط مودودی لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ کرے تو وہ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچے گا اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے گا کہ تاریخی حقائق کا ایک لشکر اس کے ثبوت میں صف بستہ کھڑا ہے اور مودودی صاحب کے حقیقی چہرہ پر نقاب ڈالنے والوں کو دعوت فکر دے رہا ہے۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

تفصیل کی تو یہاں گنجائش ہی نہیں مگر سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ جناب مودودی صاحب نے اپنے فکری توپ خانے اور اس کے گولہ بارود کا رخ قائد اعظم اور تحریک پاکستان کی طرف جماعت اسلامی کی تشکیل سے قبل ہی کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں پاکستان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ:

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاست اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بناء پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا"۔

جناب مودودی صاحب نے اپنے اس نظریہ کی وجہ یہ بتائی کہ......

"جمہوری حکومت میں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے جن کو ووٹروں کی پسندیدگی حاصل ہو۔ ووٹروں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے۔ اگر وہ صحیح اسلامی کیریکٹر کے عاشق نہیں ہیں۔ اگر وہ اس بے لاگ عدل اور ان بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے تو ان ووٹوں سے کبھی "مسلمان" قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آ سکتے۔ اس ذریعہ سے اقتدار تو ان ہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری کے رجسٹر میں تو چاہے مسلمان ہوں مگر اپنے نظریات اور طریقہ کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔ اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر کیونکہ وہ "قومی حکومت" جس پر اسلام کا نمائشی لیبل لگا ہوا ہو گا۔ اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری و بے باک ہو گی جتنی غیر مسلم ہوتی ہے"۔

(اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، زیر عنوان "خام خیالیاں" طبع اول ص ۱۷ تا ۲۱)

اگلے سال اپریل ۱۹۴۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا جس میں مودودی صاحب کو بھی تقریر کرنے کی دعوت دی گئی۔ مگر جہاں مودودی صاحب نے بعد میں جماعت اسلامی کے اجلاس پٹنہ میں گاندھی جی کو مہمان خاص کے طور پر مدعو کیا وہاں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں قائد اعظم سے ملاقات کرنے اور تقریر کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے پہلے قیم (جنرل سیکرٹری) پروفیسر قمر الدین خان کی چشم دید شہادت ہے کہ مسلم لیگ کا اجلاس مدراس قریب آ رہا تھا مودودی صاحب کو میری وساطت سے لیگ سیشن سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ راجہ صاحب محمود آباد نے ان کے اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ عین وقت پر مودودی صاحب نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک انہیں مسٹر جناح کی طرف سے تحریری دستخطی دعوت نامہ موصول نہیں ہو گا وہ لیگ کے سیشن میں شامل نہیں ہو سکتے۔

یہ ناممکن تھا کیونکہ لیگ کے جلسوں میں شمولیت کے لئے شادی بیاہ کی طرح تحریری دعوت نامے نہیں بھیجے جایا کرتے تھے۔ بایں ہمہ میں نے کہا کہ میں فوراً دہلی جاتا ہوں اور مودودی صاحب کے لئے تحریری دعوت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن مودودی صاحب نے لیگ سیشن میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں لیگ کے انبوہ میں کھوئے جانے کے لئے تیار نہیں (انہوں نے کہا کہ) میں اپنی پاکیزہ تحریک کا نام نہاد "نسلی" مسلمانوں کے ہجوم میں (جن پر لیگ کی ممبر شپ مشتمل ہے) دفن کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔

(اخبار ڈان (انگریزی) ۲۹ اگست ۱۹۷۶ء ترجمہ بحوالہ "لاہور" ۵ ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۵)

قیام جماعت اسلامی (اگست ۱۹۴۱ء) سے قیام پاکستان (اگست ۱۹۴۷ء) تک مودودی صاحب نے تحریک پاکستان اور پاکستانی خیال کے مسلمانوں کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ کرنے کا کوئی موقعہ فروگزاشت نہیں کیا اور اس قومی مطالبہ کو ناکام بنانے کے لئے بلامبالغہ سینکڑوں صفحات سیاہ کر ڈالے اور جس قوت و شوکت سے انہوں نے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے پہلے دو حصہ میں دو قومی نظریہ کی تائید کی تھی اس سے زیادہ شدومد کے ساتھ انہوں نے کتاب کے تیسرے حصہ میں اپنا پورا زور قلم دو قومی نظریہ کو پارہ پارہ کرنے اور اس کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیرنے پر صرف کر ڈالا ہے۔ کتاب کے حصہ سوم نے مخالفین پاکستان کے ہاتھوں کو مضبوط کیا اور مسلمانان ہند کے قافلہ حریت کی راہ میں بھاری رکاوٹیں حائل کر دیں۔ اس کتاب کے لفظ لفظ سے نظریہ پاکستان کے خلاف بغض و عناد کے شعلے بلند ہو رہے ہیں جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے بخوبی لگ سکتا ہے جو "فکر مودودی" کا گویا معراج اور ان کے اینٹی پاکستان ذہن کا شاہکار ہیں۔ فرماتے ہیں:

☆ ایک حقیقی مسلمان ہونے کی حیثیت سے جب میں دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر اظہار مسرت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ٹرکی پر ترک، ایران پر ایرانی، اور افغانستان پر افغان حکمران ہیں...... مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان کے جس حصے میں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔ میرے نزدیک جو سوال سب سے اقدم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے اس "پاکستان" میں نظام حکومت کی اساس خدا کی حاکمیت پر رکھی جائے گی یا مغربی نظریہ جمہوریت کے مطابق عوام کی حاکمیت پر؟ اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً یہ "پاکستان" ہو گا ورنہ بصورت دیگر یہ ویسا ہی "ناپاکستان" ہو گا جیسا ملک کا وہ حصہ ہو گا جہاں آپ کی اسکیم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے۔ بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک، اس سے زیادہ

مبغوض وملعون ہوگا"۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم ۔ ۱۲۵، ۱۲۶۔ ناشر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، اچھرو لاہور طبع ہفتم ۱۹۵۵ء)

☆ "نہ ہندوؤں سے ہمارا کوئی قومی جھگڑا ہے، نہ انگریزوں سے وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی ہے، نہ ان ریاستوں سے ہمارا کوئی رشتہ ہے جہاں نام نہاد مسلمان خدا بنے بیٹھے ہیں۔ نہ اقلیت کے تحفظ کی ہمیں ضرورت ہے نہ اکثریت کی بنیاد پر ہمیں قومی حکومت مطلوب ہے"۔

(ایضاً صفحہ ۱۴۷)

☆ "ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حاکیت جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار حاکیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہو سکتا ہے۔ جیسی مسلم اکثریت اس مجوزہ پاکستان میں ہے، ویسی ہی، بلکہ عددی حیثیت سے بہت زیادہ اکثریت افغانستان، ایران، عراق، ترکی اور مصر میں موجود ہے اور وہاں اس کو وہ "پاکستان" حاصل ہے جس کا یہاں مطالبہ کیا جارہا ہے۔ پھر کیا وہاں مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومت الٰہیہ کے قیام میں مددگار ہے یا ہوتی نظر آتی ہے؟ مددگار ہونا تو درکنار، میں پوچھتا ہوں، کیا آپ وہاں حکومت الٰہی کی تبلیغ کر کے پھانسی یا جلا وطنی سے کم کوئی سزا پانے کی امید کر سکتے ہیں؟ اگر آپ وہاں کے حالات سے کچھ بھی واقف ہیں تو آپ اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جرات نہ کر سکیں گے...... جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی، ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومت الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے"۔

(ایضاً صفحہ ۱۷۴، ۱۷۶)

۳۶۔ ۱۹۴۵ء کے ملکی انتخابات مطالبہ پاکستان کے سلسلہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ اگر مسلم لیگ ان انتخابات میں شکست کھا جاتی تو ہندوستان میں مستقل طور پر ہندو راج قائم ہو جاتا اور مسلمان شودر کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ زندگی اور موت کے اس مرحلہ پر مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کو ڈائنامیٹ کرنے کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ:

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے اس طرح کے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو، بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں"۔

(ترجمان القرآن، ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ رسائل و مسائل حصہ اول ۔ ۳۱۹)

اس فتویٰ کے بعد مودودی صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵ میں لکھا:

"جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقعہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہونگے جس طرح مسلمان اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کے قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جا سکے"۔

قیام پاکستان سے چار ماہ قبل ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء کو ٹونک میں جماعت اسلامی کا اجتماع حلقہ مغربی و وسط ہند منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر ایک مسلمان نے سوال کیا کہ:

"اس وقت برطانیہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کر رہا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہندوؤں کا حصہ ہندوؤں کے حوالے کیا جائے اور دوسری یہ کہ پورے ملک کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے حوالے کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گی"۔

مودودی صاحب نے جواب دیا:

"اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی۔ اگر لوگ اسلام اور اسلامی طریق کار کو اپنی خواہشات نفس کے خلاف پاکر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول کے کام کو چھوڑیے اور ہمارے نفس کے کام میں حصہ لیجئے"۔

(روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم ۔ ۱۰۰، ۱۰۱۔ ناشر شعبہ نشرواشاعت جماعت اسلامی، منصورہ لاہور۔ طبع نہم اپریل ۱۹۹۱ء)

مملکت پاکستان معرض ظہور میں آگئی تو مودودی صاحب ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دارالاسلام پٹھانکوٹ سے بھاگ کر اچھرو (لاہور) میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس زمانہ میں پورا ضلع گورداسپور فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا مگر وہ پاکستان ہی کی بدولت یہاں بحفاظت پہنچے۔ مگر ان کے سینہ میں قائداعظم اور پاکستان کے خلاف جو آگ کئی سال سے لگی سلگ رہی تھی وہ یہاں آکر شعلہ جوالہ بن گئی چنانچہ ان کے قلم سے پاکستان میں رسالہ ترجمان القرآن کا پہلا پرچہ جون ۱۹۴۸ء میں چھپا تو انہوں نے اس کے ادارتی نوٹ میں قائداعظم کی شخصیت پر شرمناک اعتراضات کئے اور انہیں "ناکام اداکار" قرار دیتے ہوئے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار اور "مجرم" ٹھہرایا۔ چنانچہ لکھا:

"انہی کی وجہ سے ایک کروڑ مسلمانوں پر تباہی نازل ہوئی اور انہی کی وجہ سے پاکستان کی عمارت اول روز ہی سے سخت متزلزل بنیادوں پر اٹھی۔ اس قیادت کی غلطیاں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ چند سطروں میں انہیں شمار کیا جا سکے"۔

(رسالہ ترجمان القرآن جون ۴۸ء ۔ ۱۲۵، ۱۲۶)

جماعت اسلامی اور اس کے بانی کی ذہنیت اس وقت بالکل بے نقاب ہوگئی جب انہوں نے اس پرچہ میں پاکستان کے سرکاری ملازموں کو حلف وفاداری سے باز رہنے کی تلقین کی اور اسے شرعاً غلط قرار دیا۔

(ایضاً صفحہ ۱۱۷)

علاوہ ازیں "جنگ کشمیر" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں ایک آیت کا سہارا لے کر یہ مسلک پیش کر کے مجاہدین کشمیر کی شہ رگ پر بھرپور وار کر دیا کہ "ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کاروائی نہیں کر سکتے"۔ (ایضاً ۔ ۱۲۱)

اسی طرح لکھا:

"جب تک حکومت پاکستان نے حکومت ہند کے ساتھ معاہدانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں پاکستانیوں کے لئے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا از روئے قرآن جائز نہیں ہے"۔

(تسنیم ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء، بحوالہ "فرقان" مئی جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۶)

مودودی صاحب کی ان شرمناک کاروائیوں پر بعض بھارتی لیڈروں نے ان کو خراج تحسین ادا کیا۔ مگر پاکستان میں صف ماتم بچھ گئی اور جہاد کشمیر کو سخت ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ جس کے بعد مودودی صاحب نے اپنا موقف تبدیل کر دیا۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

تحریک پاکستان کے ایک ممتاز رہنما اور مشہور صحافی حمید نظامی صاحب اس کھلی غداری پر مجسم احتجاج بن گئے اور انہوں نے "فکر مودودی" کی شعلہ افشانیوں پر پے در پے کئی شذرات سپرد قلم فرمائے۔ چنانچہ لکھا:۔

"ہم آج پھر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ مولانا مودودی جہاد کشمیر کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی اور اگر یہ جہاد ناکام رہا تو اس ناکامی میں مولانا مودودی کا بھی حصہ ہے۔ ہم یہ بھی الزام عائد کرتے ہیں کہ مولانا کا فعل اضطراری نہیں تھا بلکہ ان کی پاکستان دشمنی پر مبنی تھا۔ مولانا کو پاکستان سے کد یہ تھی کہ اس ملک کے بانی ہونے کا سہرا قائداعظم کے سر کیوں ہے، میرے سر کیوں نہیں؟ حالانکہ یہ سہرا ان کے سر باندھا ہی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی نے نہ صرف تحریک پاکستان میں کوئی کام نہیں کیا تھا بلکہ اس کی مخالفت کی تھی اور جماعت اسلامی کے ممبروں کو یہ حکم دیا تھا کہ پاکستان کی بنیاد پر ہونے والے عام انتخابات میں غیر جانبدار رہیں یعنی پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دیں۔ اس انتخاب میں پاکستان کے حق میں ووٹ نہ دینے کا مطلب پاکستان کے خلاف ووٹ دینا تھا۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ قائداعظم اور تحریک پاکستان کے خلاف مولانا مودودی کا بغض آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ مولانا کی تحریک ہرگز ایک اسلامی اور دینی تحریک نہیں۔ وہ حسن بن صباح کی طرح سیاسی ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں اور ان کا مقصد دین کی سربلندی کی بجائے سیاسی اقتدار کا حصول ہے۔ ہم مولانا مودودی کو چیلنج کرتے ہیں کہ مولانا احمد علی اور مولانا میکش کی طرح ہمارے خلاف بھی ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلائیں اور عدالت میں ان الزامات کی صفائی پیش کریں"۔

(نوائے وقت لاہور ولائلپور، ۱۵ جولائی ۵۵ء ۔ ۳)

اسی طرح ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں تحریر فرمایا:۔

"افسوس کہ پاکستان کو بنے ہوئے آٹھ برس گزر گئے، مودودی صاحب نے ابھی تک مسلمان عوام کا یہ قصور معاف نہیں کیا کہ انہوں نے مودودی صاحب کی بجائے قائداعظم کی بات کیوں مانی؟ اور پاکستان کیوں بنایا۔ گزشتہ آٹھ سالوں میں ایک مرتبہ بھی تو پاکستان کے حق میں کوئی کلمہ خیر ان کی زبان فیض ترجمان سے نہیں نکلا۔ پاکستان بہت برا سہی مگر آٹھ سالوں میں کوئی بات تو ایسی ہوئی ہوگی جو حوصلہ افزائی کی مستحق ہوتی؟ مگر مولوی مودودی صاحب جب بھی بولیں گے ایسی بات ہی کہیں گے جس سے پاکستان کے مفاد پر کاری ضرب پڑتی ہو"۔

(نوائے وقت ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء)

مدیر نوائے وقت حمید نظامی صاحب کے اس مدلل، برجستہ اور باطل شکن شذرہ سے مودودی صاحب کی پاکستان دشمنی کے علاوہ فکر مودودی کے دوسری عنصر یعنی سیاسی اقتدار پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ مودودی صاحب الاخوان المسلمون کے بانی حسن البناء کے ہندی ایڈیشن تھے جن کے ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون پر سیاسی اقتدار کی چھاپ صاف نظر آتی تھی اور وہ کرسی تک پہنچنے کے لئے تشدد تک کے استعمال کو اپنا شرعی فرض سمجھتے۔ وہ برملا کہتے تھے.

"یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین (Preachers) اور مبشرین (Missionaries) کی جماعت نہیں ہے بلکہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے "لتکونوا شہداء علی الناس" (البقرہ: ۱۴۳) اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ، فساد، بد اخلاقی، طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹا دے ..... لہذا اس پارٹی کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے"۔

(تنفیحات حصہ اول، ۔ ۸۷، ۸۸۔ ناشر اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ، ۱۳ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ ستمبر ۱۹۹۱ء)

ان کے اس نظریہ نے دشمنان رسول کے حلقوں میں اسلام کو رسوا کیا کہ داعی حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وعظ و تلقین، اخلاق اور دلائل ناکام ہوئے مگر تلوار کامیاب ہوئی اور اسی کی برکت ہی سے عرب میں اسلامی حکومت معرض وجود میں آئی (الجہاد فی الاسلام ۔ ۱۳۷)۔ اسی بناء پر انہوں نے "اسلامی حکومت" کا نعرہ بلند کر کے مسلمانان پاکستان کو یہ کھلم کھلا الٹی میٹم دیا کہ "جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں" اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں

مسلمان سمجھا جائے گا، تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا"۔

("مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" ۔ ۷۵،۷۶)

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں میں

"فکر مودودی" کا تیسرا اور اہم ترین عنصر روح اسلام سے بے وفائی بلکہ غداری ہے۔ مودودی صاحب کے پرستار انہیں "مفکر اسلام" اور "فاتح دار" اور "خدا کا شاہکار" اور خدا جانے کیا کچھ کہتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ ان کے "مرشد" نے اپنی مطلب براری کے لئے کسی مرحلہ پر بھی اسلام کو داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کیا۔ انہوں نے پاکستان کی انتخابی سیاست میں قدم رکھتے ہوئے یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ اسلام میں موجودہ پارٹی سسٹم اور اسمبلی کے لئے امیدواری کی کوئی گنجائش نہیں (پمفلٹ جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد) مگر لیلائے اقتدار کو قریب تر دیکھ کر اسلام کے اس نقطہ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور پوری جماعت کو الیکشن میں جھونک دیا۔ مودودی صاحب نے نومبر ۱۹۵۲ء میں اپنے رسالہ "اسلامی دستور کی بنیادیں" کے صفحہ ۸ پر قرآن و حدیث کے حوالے سے واضح کیا کہ:

"مملکت میں ذمہ داری کے مناصب (خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا مختلف محکموں کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس کے لئے گنجائش رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے"۔

(بحوالہ مودودی مذہب ۔ ۱۳۶)

لیکن جب ۱۹۶۴ء میں ملکی انتخابات کا مرحلہ آیا تو صدر ایوب کے مقابل پر محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کر کے اس "داعی حق" نے "اسلامی دستور" کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور خوارج کے حسن بن صباح کی تحریک کے نقش قدم پر چل کر اسلام کو بازیچہ اطفال بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہ "اسلام پسندوں" کے قافلہ سالار ہی تھے جن کا "نام نہاد اسلام" صدر ایوب جیسے محب وطن اور عظیم لیڈر کے مارشل لاء کو تو شرعی جواز فراہم نہ کر سکا مگر اس نے ضیاء الحق جیسے بدترین آمر اور بزعم خود "قادر مطلق" کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے اور اس کی بی ٹیم بننا گوارا کر لیا۔

اس شخص کا دور حکومت پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب تھا۔ اس کے ظلم و بربریت نے ہلاکو اور چنگیز خان کی خونی یادیں تازہ کر دیں اور دنیا بھر میں رحمت للعالمین کے پیارے دین کو عالمی سطح پر نشانہ تضحیک بنایا گیا۔

فروری ۱۹۸۱ء میں کیتھولک لیڈر پوپ جان پال دوم کراچی میں آئے تو اسلام کے اس چیمپئن اور اسلام پسندوں کے "امیرالمومنین" نے ان کا عقیدتمندانہ استقبال ہی نہیں کیا بلکہ ان کے حضور دعا کی بھی عاجزانہ درخواست کی۔ یہ پوری تفصیل مندرجہ ذیل کتاب میں موجود ہے۔

The Vatican, Islam and the Middle East p.287 by Kail C. Ellis, - First Edition 1987 New York

علامہ اقبال کیا خوب فرماتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

جناب طفیل محمد صاحب کے انٹرویو پر یہ تبصرہ نامکمل رہے گا اگر یہ نہ بتایا جائے کہ میاں صاحب نے آج سے بتیس برس قبل ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ "اگر کسی جماعت یا تحریک کا مستقبل اس ملک میں روشن ہے تو وہ صرف تحریک اسلامی اور جماعت اسلامی ہے"۔

(تحریک اسلامی ۔ ۴۱۹، مرتبہ خورشید احمد)

اس پیش گوئی کو بہر صورت پورا کرنے کے لئے میاں صاحب نے اپنے عہد امارت میں ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ مثلاً یحییٰ خان جیسے حکمران کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہوئے کہا کہ صدر یحییٰ خان خود ہی اسلامی قانون بنا دیں ان کا اسلامی قانون مثالی ہو گا۔

(نوائے وقت ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء)

اس ادعا کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے؟؟ لندن کے ہفت روزہ اخبار "وطن" (۱۹ مئی ۱۹۷۴ء) نے یہ انکشاف کیا کہ یحییٰ خان نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے لئے چار کروڑ کا خفیہ فنڈ قائم کیا تھا جسے مختلف سیاسی جماعتوں میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں ۶۵ لاکھ جماعت اسلامی کو دیا گیا۔ (بحوالہ "بھٹو، ضیاء اور عوام" ۔ ۱۴۳، ۱۵۷ از سردار شوکت علی، ناشر فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لاہور)۔

مودودی صاحب نے اپنے رسالہ "خطبات" میں سعودی حکمرانوں کو بنارس اور پنڈتوں سے تشبیہہ دی اور "مہنت گری اور ان کے "دلالوں" پر کڑی تنقید کی۔ مگر میاں طفیل محمد صاحب مدت سے انہی کے کاسہ لیس بنے ہوئے ہیں اور کاسہ گدائی لے کر ہر سال ان کی درگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ جناب مودودی صاحب کے صاحبزادے حسین فاروق صاحب مودودی تحریک اسلامی کے رفقاء کے نام ایک کھلے خط میں لکھتے ہیں:-

"جماعت اسلامی کے اکابرین اپنی دنیا بنانے پر لگے ہوئے ہیں ان میں بیشتر لکھ پتی ہو چکے ہیں اور کروڑ پتی بننے کے خواہش مند ہیں ..... مولانا خلیل حامدی صاحب نے سعودی عرب سے ویزے لا کر ان کی غیر اخلاقی اور ناجائز فروخت تک کا کام اس "منصورہ" میں بیٹھ کر کیا ہے"۔

(بحوالہ "بھٹو، ضیاء اور عوام" صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸)

میاں صاحب نے پاکستان کے بدنام زمانہ آمر ضیاء الحق کی یہاں تک چاپلوسی کی کہ (معاذ اللہ) اس نے حضرت علیؓ کے بعد سب سے بڑا قدم اٹھایا ہے۔ (نوائے وقت ۷ دسمبر ۱۹۷۸ء ۔ ۱)۔ اس غاصب کے زمانہ میں "جہاد افغانستان" کے نام پر امریکہ سے ڈالروں کی بارش ہوئی جس میں سب سے زیادہ حصہ مودودی جماعت ہی کو ملا۔ ضیاء الحق نے بھی ریفرنڈم اسی کے بل بوتے پر جیتا۔ عرصہ ہوا پاکستان کے مشہور صحافی جناب مجیب الرحمان شامی نے ایک ملاقات کے دوران میاں صاحب سے ذکر کیا کہ ریفرنڈم بہت متنازعہ رہا ہے۔ مختلف سیاسی حلقوں کی طرف سے بار بار الزام لگایا جاتا ہے کہ لوگوں نے اس میں ووٹ نہیں دئے۔ پولنگ افسروں نے خود ہی پرچیاں پھاڑ پھاڑ کر بکسوں میں ڈال دیں۔ میاں طفیل محمد صاحب نے کمال سادگی سے فرمایا:

"یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا بھر میں ریفرنڈم اسی طرح ہوتے ہیں کہاں اس سے مختلف ہوا ہے ریفرنڈم۔ مصر میں، شام میں، عراق میں، ترکی میں، انڈونیشیا میں، کہاں ریفرنڈم ایسا ہوا ہے جو اس سے مختلف ہو۔ تمام طبقوں نے اسے منصفانہ کہا ہو۔ ہر ریفرنڈم پر ملک کے اندر شدید تنقید کرنے والے موجود رہے ہیں۔ ریفرنڈم تو بس ریفرنڈم ہے جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے۔ ویسا یہاں بھی ہو گیا"۔

(قومی ڈائجسٹ جلد ۱۰ نمبر ۶ ۔ ۲۲)

غرضیکہ میاں صاحب نے جماعت کے مستقبل کو درخشاں بنانے کے ہر قسم کے پاپڑ بیلے با ایں ہمہ ان کے تازہ انٹرویو میں جماعت کے بارہ میں مایوسی کی نمایاں جھلک پائی جاتی ہے اور انہیں دبی زبان میں تسلیم کرنا پڑا ہے کہ نعیم صدیقی صاحب اور ان کے ساتھیوں کے خروج سے جماعت ایک شدید بحران میں مبتلا ہو گئی ہے۔ انہوں نے تین سال قبل جماعت کی مرکزی شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا (رسالہ "میثاق" لاہور اکتوبر ۱۹۹۲ء ۔ ۱۱۲) اور "اسلامی فرنٹ" اور "پاسبان" کی نئی تنظیموں پر اعتراض کیا کہ اس میں قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت نے ہر رطب و یابس کو جمع کر لیا ہے نیز کہا کہ جو اثاثہ مودودی صاحب نے ۵۰ برس کی طویل جدوجہد میں اپنا خون جگر پلا پلا کر بنایا تھا اس کا بہت بڑا حصہ پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ (رسالہ "آئین" لاہور جنوری ۱۹۹۴ء ۔ ۸ و ۱۲۔ رسالہ "میثاق" ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء ۔ ۱۱۸)۔

رسالہ "ایشیا" لاہور (۵ مئی ۹۵ء) میں میاں صاحب کا یہ بیان درج ہے کہ "اب ہمارے ہزاروں کی تعداد میں کارکن ہیں ہم بے بسی کے عالم میں ہیں۔ (۔ ۳۸)۔ میاں صاحب کے تازہ انٹرویو کو اس عبرتناک ناکامی کے پس منظر میں پڑھنا چاہئے اور پھر ان کے درج ذیل الفاظ کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ کس طرح حق تعالیٰ نے ان کے قلم پر کلمہ حق جاری کر دیا ہے۔ میاں صاحب نے مودودی جماعت کی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا

ہفت روزہ "میڈیا" لاہور ۵ تا ۲۰ مئی ۱۹۹۵ء رقمطراز ہے

"جماعت احمدیہ اس قدر منظم ہو چکی ہے کہ اس نے انٹرنیشنل ٹیلی ویژن سے ۲۴ گھنٹے کی نشریات خرید رکھی ہیں۔ پاکستان کے اندر احمدی تبلیغ نہیں کر سکتے اس کے برعکس ایشیا پر ۲۴ گھنٹے پاکستانی عوام "مسلم ٹیلی ویژن انٹرنیشنل احمدیہ" کی نشریات دیکھتے اور سنتے ہیں اور احمدیوں کی نشریات مختلف حصوں میں تقسیم ہیں لیکن اس نشریات کو ٹیلی کاسٹ کرنے کا انداز بہت پرفریب ہے۔ ٹیلی ویژن پر ایسے ایسے حیرت انگیز دعوے کئے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ احمدی اس صدی میں غالب آنے والے ہیں۔ کیا عالم اسلام پاکستان اور مسلمان علماء کرام احمدیوں کی ترقی کا کوئی توڑ کرنے کی پوزیشن میں نہیں؟ اس سوال کا جواب وقت دے گا"۔

ہے:-

"یہ لوگ اگر سو فیصد قرآن و سنت کی پابندی نہیں کرتے تو کم از کم ۶۰ سے ۷۰ فیصد تک تو اپنی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھال لیں اس کے بغیر اگر اسلامی نظام مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا حشر وہی ہو گا جو روس میں کیمونزم کا ہوا۔

انقلاب انسان کے اندر سے ہوتا ہے باہر سے مسلط کیا ہوا انقلاب اس وقت تک چلتا ہے جب تک آپ لاٹھی لے کر مسلط رہیں۔ دل سے انقلاب وہ ہوتا ہے جو نبی لائے"۔

(زندگی ۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء ۔ ۸)

یہ بھی عجیب خدائی تصرف ہے کہ میاں صاحب کے حالیہ انٹرویو کے ساتھ رسالہ "زندگی" (۲۲۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۹۵ء) نے اگلے ہی صفحہ پر جماعت اسلامی کے ایک قدیم رہنما جناب عبدالغفار حسن، سابق رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان کا مضمون بھی شائع کیا گیا ہے جو میاں صاحب کے انٹرویو کی طرح نہایت درجہ یاس اور قنوطیت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ آخر میں اس مضمون کا ایک مختصر اقتباس بھی ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ جناب عبدالغفار حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"افسوس ہے کہ انقلاب قیادت یا انتخابی سیاست کے چسکے نے اس اہم تعمیری مثبت کام سے باز رکھا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ نہ کوئی اہم تعمیری کام ہوا ہے نہ انقلاب قیادت کا تحفہ ملت کو مل سکا، بلکہ بحران پر بحران نظر آ رہے ہیں۔ اس وقت جماعت حسب ذیل شعر کی مصداق ہے۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

فاعتبروا یا اولی الابصار"۔

بقیہ صـ ۱۹ سے

باہر کر دیا اور اس کی قیمت اس نے اپنی جان دے کر ادا کی۔ ایک اور حاکم نے جس نے یہ خیال کیا کہ وہ اپنی رعایا کے حقوق کا پاسدار ہے۔ انہیں اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ اپنے عقیدہ کا اظہار کر سکیں اور اپنے مسلک کے مطابق عبادت ادا کر سکیں۔ اس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا بدلہ ملا۔

جو لوگ فوت ہو چکے ہیں ان کو آرام سے اپنی قبروں میں رہنے دیجئے۔ ہر شخص کو مرنا ہے۔ اور ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ آیئے ہم محبت اور افہام و تفہیم کے پل بنائیں اور ایک صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کریں، ان لوگوں کے لئے جو زندہ ہیں۔ جو کچھ ضیاء کی قبر سے کیا گیا۔ یہ ہم سب کے لئے مزید مشکلات پیدا کرے گا۔ ہمیں اس سے درگزر کرنا چاہئے اور دوسروں کو بھی تلقین کرنی چاہئے کہ وہ ایسا نہ کریں۔
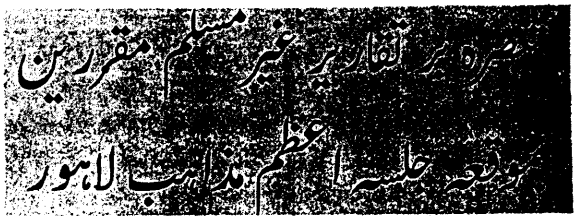
(صوفی محمد اسحاق مبلغ سلسلہ)

جناب ماسٹر درگا پرشاد صاحب

پریذیڈنٹ آریہ سماج لاہور و ممبر مجلس کمیٹی منتظمہ جلسہ مذاہب

جناب ماسٹر درگا پرشاد صاحب نے اپنی تقریر کے شروع میں ہی اپنی کم علمی کا اعتراف بدیں الفاظ کیا ہے "میں وید شاستر جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ مجھ میں اس قدر علم نہیں جس قدر ہونا چاہئے"۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے جلسہ سے تعلق رکھنے والے پانچوں سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور اس لحاظ سے آپ باقی مقررین سے ضرور ممتاز ہیں۔ اب نمبروار آپکے جوابوں پر مختصر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

سوالنمبر ۱۔ انسان کی بدنی، اخلاقی اور روحانی حالتیں جنہیں آپ نے صفات قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شاستر میں لکھا ہے کہ آدمی مرکب پانچ کوش (طبقات) کا ہے لیکن بیان کرتے وقت آپ نے چھ کوش کا ذکر کیا ہے۔ عناصر اربعہ یعنی آگ پانی، مٹی اور ہوا تو سب کو معلوم ہیں۔ اسی طرح حواس خمسہ یعنی باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ بھی سب کو معلوم ہیں۔ جناب ماسٹر صاحب نے ان کو زیادہ سے زیادہ گڈمڈ کردیا ہے۔ انسان کی بدنی، اخلاقی اور روحانی حالتوں سے ان کا واضح رشتہ اور تعلق بیان کرنے میں آپ کامیاب نظر نہیں آتے۔

آپ نے اپنی تقریر میں عبادت کو پانچویں نمبر پر رکھا ہے، حالانکہ عبادت کا تعلق عبودیت سے ہے اور عبودیت کو ربوبیت سے اس قدر گہرا تعلق ہے کہ اسے اول نمبر پر رکھنا چاہئے جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے "وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون"۔ چنانچہ ماسٹر صاحب نے خود بھی اپنی بیان کردہ پانچویں کوش یعنی آنند مئی کوش (طبق سرور) میں پہلی قسم ستوگن (معرفت ذات باری) کو قرار دیا ہے۔ جب معرفت ذات باری کو بقول انکے اولیت حاصل ہے تو پھر عبادت کو بھی اولیت ملنی چاہئے کیونکہ تمام انبیاء کو عبادت کے ذریعہ ہی معرفت ذات باری نصیب ہوئی تھی۔

جناب ماسٹر صاحب نے اسی سوال کے ضمن میں ایک دعویٰ بلا دلیل بھی کیا ہے کہ "پرمیشور کی تلاش میں سچا شوق ہو تو وید مقدس اور اپنیشد پڑھے" کیا فی زمانہ آریوں میں سے کوئی ایک فرد بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسے معرفت الٰہی حاصل ہے؟ اگر آریوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ دعویٰ نہیں تو یا تو آریوں کو معرفت الٰہی کا شوق ہی نہیں اور یا پھر شاستر اور اپنیشد اس قابل ہی نہیں کہ وہ کسی کو معرفت ذات باری سے ہمکنار کرسکیں۔ پس یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

سوال نمبر ۲۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ماسٹر درگا پرشاد صاحب نے پرمیشور کی طرح روح کو بھی انلی اور ابدی قرار دیا ہے جو صریحاً شرک فی الذات ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ليس كمثله شيئ"۔ اگر روحوں کو بھی انلی اور ابدی تسلیم کرلیا جائے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے تصرف سے بھی باہر ماننا پڑتا ہے جو بالبداہت باطل ہے۔

جناب ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح کی نئی حالت شروع ہوتی ہے اور وہ حالت ترقی پذیر ہوتی ہے۔ لیکن آریوں کے عقیدہ کے مطابق تناسخ اس کا مؤید نہیں بنتا کیونکہ انکے عقیدہ کے مطابق کتے بلے اور سؤر وغیرہ یہ سب گذشتہ اعمال کا نتیجہ ہیں تو پھر انسان سے حیوان بننا ترقی تو نہ ہوا یہ تو ترقی معکوس ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی حیوان ایسا عمل کرے جس سے وہ پھر انسان بن سکے۔

جناب ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے شاستر میں ایسا کہیں نہیں لکھا کہ صرف ایک بار ہی زندگی عطا ہوتی ہے بلکہ لکھا ہے کہ وہ ۳۶ ہزار پیدائش تک ہے۔ یہ بھی ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو عقلاً ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس قرآن کریم کہتا ہے کہ اس زندگی کے بعد انسان کو آخرت میں ایک اور روحانی زندگی عطا ہوتی ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور سب الہامی نوشتے اسی کی تائید کرتے ہیں۔

سوالنمبر ۳۔ جناب ماسٹر صاحب اپنی تقریر میں دعویٰ کرتے ہیں کہ نیک کرموں سے ایشور کا گیان حاصل نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر عجیب دعویٰ ہے اگر نیک بن کر بھی کوئی خدا کی معرفت حاصل نہیں کرسکتا تو پھر نیک اعمال انسان کیوں بجا لائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ نیک اعمال سے انسان کو طہارت نفس حاصل ہوتی ہے اور طہارت نفس کے بعد ہی انسان خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے۔ اسی لئے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپکو تب اس کو پاوے

ماسٹر صاحب مزید فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو گیان سے سیر ہو جاتے ہیں اور تمام خواہشوں سے بری ہوجاتے ہیں وہ پرمیشور میں جو ہر جگہ موجود ہے، غائب ہو جاتے ہیں جس طرح کہ پرند آسمان میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک عجیب دعویٰ ہے۔ پرندہ آسمان میں اڑتا ضرور ہے لیکن بالآخر وہ زمین پر ہی واپس آتا ہے۔ یہی حال اہل اللہ کا ہوتا ہے کہ وہ ذات باری کی معرفت کے بعد دنیا سے بکلی نہیں کٹتے اسی لئے رہبانیت کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ دنیا میں رہ کر دنیاوی اشغال بجالاتے ہوئے پھر بھی عبادت کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا یہ انسانیت کا کامل معراج ہے جو ہمارے ہادی حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بدرجہ اتم حاصل ہوا۔

سوالنمبر ۴۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟

جناب ماسٹر صاحب فرماتے ہیں۔ کرم تین طرح کے ہیں۔ بچیت یعنی پہلی زندگی میں کئے ہوئے ان میں سے ہر ایک تین قسم پر منقسم ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انکی تفصیل بیان نہیں ہوسکتی۔ یہ تفصیل صرف شاستر پڑھنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ گویا کہ "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی"۔ شاستر جس زبان میں لکھے ہوئے ہیں اس کو سوائے چند ہندو مذہبی لیڈروں کے کون ہے جو اس کو جانتا ہو؟ اسی لئے جناب ماسٹر صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ "یہ حکیمانہ مسئلہ عام فہم میں نہیں آسکتا"۔

سوالنمبر ۵۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا ہیں؟

جناب ماسٹر صاحب فرماتے ہیں "ہمارے شاستر کی رو سے علم کا مخرج اور علم کا دنیا پر ظاہر ہونا وید مقدس سے ہے"۔ "رگ وید انسان کے کتب خانہ میں سب سے پرانی کتاب ہے"۔ کسی کتاب کا سب سے پرانا ہونا اس کے اصلی دھرم ہونے کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ یہ تو سلسلہ ارتقاء کے خلاف بات ہے۔ پھر وید مقدس کی زبان سنسکرت کو جاننے والے دنیا میں کتنے لوگ ہیں؟ اگر مذہب سب بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہے تو پھر اس کا ایسی زبان میں ہونا ضروری ہے جسے عام لوگ سمجھ سکیں نہ کہ معدودے چند آدمی اسکے اجارہ دار بن جائیں۔

جناب ماسٹر صاحب نے اس ضمن میں مزید فرمایا کہ انسان کا ہادی صرف عقل ہے۔ یہ بھی ایک ناقص دعویٰ ہے۔ عقل تو صرف یہ بتاتی ہے کہ اس دنیا کا کوئی خالق و مالک ہونا چاہئے لیکن یہ کہ وہ فی الواقعہ موجود ہے اس بارہ میں عقل راہنمائی نہیں کرتی ہے۔

مندرجہ بالا پانچوں سوالوں کے جوابات پر مختصر تبصرہ کے بعد میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب ماسٹر صاحب نے جن باتوں کے متعلق کسی رنگ میں بھی کوئی اظہار خیال نہیں کیا اور جو انکے مذہب کی رو سے امتیازی شان رکھتی ہیں۔ وہ ہیں۔

(۱) نیوگ۔ (۲) رسم ستی۔ (۳) تناسخ (۴) قدامت روح و مادہ (۵) ذات پات کی تقسیم۔

ایک اور بات جس سے جناب ماسٹر صاحب کی تقریر محروم ہے وہ ہے اپنی مذہبی کتاب کے حوالوں سے اپنی تقریر کو مزین کرنا۔ پس میرے نزدیک جناب ماسٹر صاحب کی تقریر میں یہ دو بڑے نقائص ہیں اول انہوں نے اپنے مذہب کی تعلیم کو چھپایا ہے اور جو کچھ بیان کیا اسے اپنے مذہب کی کتاب کے حوالوں سے مزین نہیں کیا ہے۔

تقریر مسٹر بیچی صاحب

انکی تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ پرمیشر چونکہ ایک ہے اس لئے منشاء الٰہی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو ایک ہی مذہب پر چلائے لیکن اختلاف مذاہب اختلاف ممالک کی وجہ سے ہے۔ انکی یہ دلیل بالکل غلط ہے۔ عرب میں عیسائیت یہودیت اور شرک تینوں موجود تھے۔ عیسائیت اور یہودیت دونوں فلسطین کی پیداوار ہیں اور شرک اور اسلام دونوں ملک عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔

منشاء الٰہی تو بالکل یہی ہے کہ سب انسان ایک مذہب اختیار کریں لیکن جو چیز اس منشاء کو پورا کرسکتی ہے وہ دلیل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قل هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين"۔

انکی تقریر بہت مختصر ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس جلسہ میں زیر بحث آنے والے سوالوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

جناب سوامی شگن چندر صاحب

بانی دھرم مہوتسو

انہوں نے اپنی تقریر میں تسلیم کیا کہ وہ ان سوالوں کے جواب دینے کے اہل نہیں جن کے جواب کے لئے یہ جلسہ اعظم مذاہب منعقد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ یہ وقت اگر کسی اور کو دیا جاتا تو خوب ہوتا لیکن لوگوں کے اصرار کی وجہ سے انہیں کھڑا ہونا پڑا ہے۔

انہوں نے اپنی تقریر کے شروع میں اپنے حالات زندگی بیان کئے جن کا اصل موضوع سے کچھ تعلق نہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں باعمل لوگوں کی ضرورت کے احساس کا اقرار کیا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ایک مہاتما صاحب خواب میں انکی راہنمائی کرتے رہے اور انکی تعلیم کا خلاصہ یہ بیان کیا کہ خواہش کو کم کرو اور بدخواہشوں کو چھوڑو۔ ان دونو پر عمل کرنے کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس بارہ میں انہوں نے کچھ نہیں فرمایا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ جب تک سب لوگ اکٹھے نہ ہوں اس وقت تک کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ اس خیال کا نتیجہ تھا کہ مجھے جلسہ دھرم موتسو کا خیال آیا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں میٹنگ کمیٹی کے ممبران کا شکریہ ادا کیا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ کوئی مذہب خوبیوں سے خالی نہیں ہے لیکن مذہب والے اپنے مذہب کی خوبیوں پر عمل نہیں کرتے یہ کہتے ہیں کہ یہاں ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرکے فائدہ پہنچایا ہے۔

انہوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم ہوں۔ قرآن کریم اور عقل انسانی باپ دادا کے مذہب پر قائم رہنے کو اس مذہب کے سچا ہونے کی دلیل کے طور پر قبول نہیں کرتے۔

انہوں نے اپنے مذہب کو سادھارن یعنی آسان مذہب بتلایا جو بقول انکے ہندوستان میں تھا اور بقول انکے ہندوستان تمام دنیا میں فضیلت رکھتا تھا۔ یہ سب دعوے بلا دلیل ہیں۔

انکے مذکورہ بالا مذہب کی تعلیم بقول انکے یہ ہے کہ اول ورزش جسمانی، دوم اخلاق صحت یعنی انسانی قوت کو ضائع نہ کرنا اور مادری زبان میں علم حاصل کرنا۔ سوم روح اور روحانی زندگی کے حاصل کرنے کا طریق مثلاً گوشہ نشینی، ودیا دانوں کی صحبت خدا کے آگے تعریف اور دعا۔ ان سب کے بعد پھر فکر معاش۔

یہ سب باتیں اسلام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں اور اس بارہ میں اسلام تفصیلی ہدایات دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کو بطور اسوہ کاملہ پیش کرتا ہے۔ جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو قرآن کریم بالوضاحت فرماتا ہے کہ "قل ما يعبؤ بكم ربي لو لا دعاؤكم" لیکن دعا کیسے کی جائے اس کا طریق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ سجدہ میں انسان خدا تعالیٰ کے سب سے قریب ہوتا ہے اس لئے اس وقت خوب دعا کیا کرو۔ پس سوامی صاحب کا دعا کو اہمیت دینا دراصل اسلامی تعلیم کی برتری کا اعتراف ہے۔

اسی طرح سوامی صاحب نے مخالفوں کے ساتھ سلوک کے متعلق فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ جو تکلیف کوئی دیوے اس سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ یہ اسلامی تعلیم کا ایک حصہ ہے جو ہندو دھرم میں پایا جاتا ہے لیکن مکمل اسلامی تعلیم بہت اعلیٰ و افضل ہے جو یہ ہے "جزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفى واصلح فاجره على الله انه لايحب الظالمين"۔ (سورہ شوریٰ آیت نمبر ۴۱) یعنی بدی کا بدلہ اتنی ہی بدی ہے لیکن اگر کوئی یہ دیکھے کہ معاف کرنے سے بھی اصلاح ہوسکتی ہے تو وہ بے شک معاف بھی کرسکتا ہے۔ پس اسلامی تعلیم اس لحاظ سے بہت افضل ہے کہ یہ موقع محل کے مطابق یہ اختیار دیتی ہے کہ اگر سزا دینے سے اصلاح ہوتی ہو تو مزید سزا دی جائے لیکن اگر معافی کرنے سے یہ بات حاصل ہوسکتی ہو تو معاف کرنا ہی بہتر ہے۔

سوامی صاحب اپنی تقریر کے آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ شادی کا مقصد جسمانی لذات کا حصول نہ ہو بلکہ مقصد عمدہ اولاد پیدا کرنا ہونا چاہئے۔

سوامی صاحب کی ساری تقریر کے بعد یہ تاثر نمایاں طور پر ابھرتا ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر میں ان سوالوں کا براہ راست کوئی جواب نہیں دیا جو جلسہ اعظم مذاہب میں دراصل موضوع بحث تھے۔

(پروفیسر محمد ارشد چوہدری)

امریکہ اور یورپ میں اسلام کا آغاز

۱۸۷۳ء میں ایک سفید فام امریکن مسٹر الیگزینڈر ویب عیسائیت کی غیر عقلی تعلیم سے بےزار ہو کر تلاش حق میں سرگرداں تھے۔ انہیں دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات یورپ اور امریکہ میں کثرت سے شائع ہو رہے تھے۔ انہیں اشتہارات سے متاثر ہو کر ویب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خط و کتابت شروع کی اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عاشق صادق، حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں:-

"پس میرے ہاتھ اور آواز کو ڈاک نے ایسی مدد دی کہ میں گھر بیٹھے بیٹھے انگلستان، امریکہ اور جاپان تک جانے لگا....... قوت سمجھو، نشہ سمجھو، کچھ سمجھو .... جہاں کہیں بھی کوئی نیا فرقہ دیکھا گمراہی کا کوئی عجیب گڑھا دیکھا۔ ضلالت کا کوئی ہولناک کنواں دیکھا۔ ان کی خبر خدا کے مسیح کو لا کر دی تا کہ وہ اس کی دستگیری کے لئے توجہ کرے اور دوسرا یہ کہ جو ملا کسی نہ کسی بہانے اس کے کان میں کچھ اسلام اور اسلام کے بانی علیہ السلام اور اسلام کے موجودہ امام کی خبر ڈال ہی دی۔ کسی نے گالی دی، کسی نے برا منایا، کوئی نہیں جو خاموش ہو رہا، کسی نے خشک شکریہ میں ٹالا، کوئی تھوڑی دور ساتھ ہو لیا اور پرسان حال رہا۔ پر میں اپنا کام کئے گیا۔ یہاں تک کہ بعض رشید اور سعید ایسے نکلے جنہوں نے اس آواز کو قبول کر ہی لیا"۔
(ذکر حبیب)

حضرت مفتی صاحبؓ ۹۱-۱۸۹۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کے بعد سے گویا حضور کے Western Desk کے انچارج تھے۔ ۱۹۰۲ء میں اخبار "البدر" کی صدارت بھی آپ ہی کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ "تحقیق الادیان" ...... جیسے عناوین کے تحت آپ نے اس سلسلہ تبلیغ کو جاری رکھا۔ حضرت مفتی صاحب اس وقت کے معروف اور مقبول انگریزی اخبارات، رسائل اور کتب منگوا کر انہی کی بنیاد پر تبلیغی خطوط لکھا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اخبارات اور رسائل میں تو معروف اور بڑے لوگوں کے مضامین ہی آیا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کا یہ تبلیغی جہاد ایک لحاظ سے اپنے اپنے علاقے کے علمی، قلمی اور مذہبی رہنماؤں تک محدود تھا۔ تا آنکہ آپ بنفس نفیس یورپ اور امریکہ تشریف لے گئے اور آپ کی تبلیغ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ تحریری تبلیغ سے جو احباب احمدی ہوئے، احمدیت سے مرعوب ہوئے یا احمدیت کے ثناخوان بنے ان میں سے چند ایک یہ احباب تھے۔

۱۔ مسٹر الیگزینڈر ویب صاحب، جنہوں نے اسلام قبول کیا۔
۲۔ مسٹر اینڈرسن، جن کا اسلامی نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "احمد" رکھا۔
۳۔ پروفیسر ریگ صاحب اور ان کی اہلیہ۔
۴۔ مسٹر جیمز ایل روجرز۔
۵۔ ڈاکٹر بیکر صاحب۔
۶۔ مس روز صاحبہ۔
۷۔ پادری ہکٹ صاحب، جنہوں نے تبلیغ کے نتیجے میں اپنا دعویٰ مسیحیت ترک کر دیا۔
۸۔ پادری سکاٹ صاحب۔
۹۔ کاؤنٹ ٹالسٹائی صاحب جنہوں نے احمدیہ اسلامی عقائد سے مکمل اتفاق کیا۔
۱۰۔ پادری ہال صاحب وغیرہ۔

ڈاکٹر ڈوئی صاحب کا دعویٰ نبوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں، امریکہ میں تبلیغ اسلام کا بہترین موقعہ ڈاکٹر ڈوئی صاحب مدعی نبوت نے فراہم کیا۔

پہلے پہل تو انہوں نے اسلام کے خلاف زہر افشانی شروع کی۔ کلکتہ کے عیسائی اخبار "ایپی فنی" نے اس کا ذکر کیا تو حضرت مفتی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈوئی صاحب سے خط و کتابت شروع کی۔ ڈوئی صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو اپنا لٹریچر بھجوایا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مفتی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ ڈوئی صاحب کا اخبار منگوانا چاہئے اور اس کام کے لئے اخراجات بھی مہیا فرمائے۔ چنانچہ ڈوئی صاحب کا اخبار Leaves of Healing قادیان پہنچنا شروع ہوا۔ جس کا ترجمہ حضرت مفتی صاحب، حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ جب ڈوئی صاحب طاقت پکڑ گئے تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کی باتیں شروع کر دیں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غیرت اسلامی جوش میں آئی اور آپ نے ایک اشتہار لکھ کر اسے یورپ اور امریکہ بھجوایا۔ تصرف الٰہی کے تحت اس اشتہار کی اس قدر پذیرائی ہوئی کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر اخبارات نے نہ صرف اسے شائع کیا بلکہ اس پر تبصرے، مضامین اور کالم لکھے گئے۔ اس طریق پر یورپ اور امریکہ میں اسلام کی تبلیغ کا وسیع انتظام ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد جب ڈوئی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا اور پیش گوئی کے نتیجے میں نہایت کسمپرسی اور ذلت کی حالت میں ہلاک ہو گئے تو ایک دفعہ پھر یورپ اور امریکہ کے اکثر اخبارات نے اس پر تبصرے لکھ کر تبلیغ اسلام کا ایک عظیم الشان موقع فراہم کر دیا۔

حضرت پیر اشہد الدین "جھنڈے والے" کی شہادت

جب مسٹر محمد الیگزینڈر ویب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خط و کتابت کے بعد اسلام قبول کیا تو مسلمانان ہند بالخصوص مولوی محمد حسن علی صاحب (مصنف "تائید حق") اور حاجی عبداللہ عرب صاحب کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی۔ ویب صاحب اس وقت فلپائن میں امریکہ کے سفیر مقرر ہو چکے تھے۔ حاجی عبداللہ صاحب کی قیادت میں مسلمانان ہند کا ایک وفد فلپائن پہنچا اور ویب صاحب کو سفارت سے مستعفی ہو کر امریکہ میں ایک مسلم اخبار جاری کرنے کی ترغیب دی اور اس کام کے لئے چندہ جمع کرنے کا وعدہ کیا۔ ویب صاحب مستعفی ہو کر ہندوستان پہنچے تو مسلمانوں نے اپنا وعدہ ایفا نہ کیا۔ مولوی حسن علی صاحب جو پیر جھنڈے والے کے مرید تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ پیر صاحب نے استخارہ فرمایا اور کہا:

"انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے روحانی تصرفات کی وجہ سے اشاعت اسلام ہو رہی ہے۔ ان سے دعا منگوانے سے کام ٹھیک ہو گا"۔
(تائید حق مصنفہ مولوی حسن علی صاحب)

اس پر حاجی صاحب اور عرب صاحب نے پیر صاحب کو بتایا کہ ہندوستان اور پنجاب کے علماء نے تو حضرت مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے ہیں۔ پیر صاحب نے دوبارہ استخارہ فرمایا اور کہا:

"خواب میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مرزا غلام احمد اس زمانے میں میرا نائب ہے، وہ جو کہے وہ کرو"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت پیر صاحب نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن مریدوں نے پیر صاحب سے کہا کہ انہیں خود اس پر تکلیف کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ پیر صاحب نے اپنے خلیفہ عبداللطیف صاحب کو حاجی عبداللہ عرب صاحب کی معیت میں قادیان بھجوایا۔ خلیفہ عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب عرب نے سارا قصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر کے دعا کی درخواست کی۔

بعد ازاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر حضرت مفتی صاحب نے ویب صاحب کے ساتھ خط و کتابت کی جس پر ویب صاحب نے مولوی حسن علی صاحب اور دیگر مسلمانان ہند کے کہنے پر قادیان نہ جانے پر معذرت کی اور فرمایا:

"حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ میرا سلام عرض کریں اور ان سے التجا کریں کہ میری کامیابی کے لئے دعا فرمائیں...... میری طرح اس نے بھی (مولوی حسن علی صاحب نے) غلطی کھائی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ مرنے سے پہلے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا۔ جب میں ہند میں تھا تو اس نے میری مدد کی اور میں پچھتاتا ہوں کہ وہ اور میں دونوں مل کر اسی وقت قادیان کیوں نہ گئے"۔
(ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب)

وسعت کار

حضرت مفتی صاحبؓ نے بلاشبہ ہزاروں ہزار یورپین، امریکن اور دیگر اقوام عالم کے اہل ذہانت، اہل فراست اور اہل عقل دانشوروں کو پیغام اسلام پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس زمانے کے امریکہ اور یورپ کے اخبارات اور جماعت احمدیہ کا لٹریچر آپ کی ان مساعی کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ ہر کوئی اسلام اور اسلام کے اس مبلغ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ سکول، کالج اور یونیورسٹیاں آپ کو لیکچرز کے لئے بلا رہے ہیں۔ شہروں میں آپ کی آمد و رفت کے اعلانات ہو رہے ہیں لوگ دیوانوں کی طرح آپ کو دیکھنے اور سننے کے لئے بیتاب ہیں۔

میرے سامنے ان مواقع کی رپورٹس اور تصاویر کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ اس مختصر مضمون میں کیسے ان کو سموؤں۔ اس کے لئے تو ایک ضخیم کتاب چاہئے۔ احمدیت سے بغض و عناد رکھنے والا شخص بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ امریکہ اور یورپ کی تاریخ میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کبھی بھی اس قدر وسیع اور مؤثر تبلیغ اسلام نہیں ہوئی۔ ایک اور بات جو اس مساعی کے نتیجے میں سامنے آئی وہ یہ تھی کہ مغرب کا اسلام سے بغض و عناد لاعلمی کی بناء پر تھا نہ کہ تعصب کی راہ سے۔ کیونکہ جس شخص نے بھی اسلام کی اصل تصویر دیکھی وہ اس کا گرویدہ ہو گیا اور پادری صاحبان جنہوں نے عوام کے ذہنوں میں اسلام کی بھیانک تصویر بنا رکھی تھی انہوں نے بھی علم ہونے پر اسلامی تعلیم کی خوبیوں کا اقرار کیا۔

میرے خیال میں جس طرح انبیاء علیہم السلام انسانیت کے لئے نمونہ ہوتے ہیں، حضرت مفتی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب میں تبلیغ اسلام کا نمونہ تھے۔ آپ مغربی ذہن اور مغربی نفسیات کے ماہر تھے۔ اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی مقصد کے لئے پیدا کیا تھا۔ کیا ہی خوب ہو اگر مغرب میں تبلیغ کرنے والے داعیان الی اللہ حضرت مفتی صاحبؓ کے طریق تبلیغ کا مطالعہ کریں اور ان اصولوں کو اپنانے کی کوشش کریں جو حضرت مفتی صاحب کو شاید موہبت کے طور پر عطا ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک "اصحابی کالنجوم" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کے لئے بھی درست ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن بین الاقوامی مشن تھا جس میں مغرب کو بھی وہی اہمیت حاصل تھی جو مشرق کو تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک عاشق صادق کو مغرب کی طرف متوجہ کیا۔ آپ جب قادیان میں تھے تب بھی آپ نے مغرب میں تبلیغ کا جال پھیلا رکھا تھا اور پھر جب آپ مغرب میں وارد ہوئے تو دنیا نے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ مغربی لوگ جنہیں بظاہر مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اسلام میں دلچسپی لیتے نظر آنے لگے۔ وہ جن کے پاس مذہب کے لئے کوئی وقت نہ تھا گھنٹوں آپ کی تقریر سن رہے ہیں۔ پادری لوگ جن کا پیشہ ہی بظاہر اسلام کی مخالفت کرنا تھا آپ کو دعوت نامے بھجوا رہے ہیں کہ آپ ان کو اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کریں۔ بڑے بڑے عالم فاضل جو مشرق کو خاطر میں نہ لاتے تھے آپ کے گن گا رہے ہیں۔ جو لوگ اسلام کا نام تک سننا پسند نہ کرتے تھے درخواستیں کر رہے ہیں۔

. کہ انہیں لٹریچر
بھجوایا جائے۔ اخبارات اور رسائل جو اپنی اسلام کشی کے لئے مشہور تھے کھلے دل سے اسلامی تعلیم کی خوبیوں کا اقرار کر رہے ہیں۔ مغرب کے مذہبی علمی اور سیاسی رہنما آپ کے اعزاز میں دعوتیں کر رہے ہیں۔ یونیورسٹیاں آپ کو اعزازی ڈگریاں دے رہی ہیں وغیرہ۔

اس سے بڑھ کر اس امر کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس دور میں مغرب میں احیاء اسلام اور اشاعت اسلام احمدیت کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔ ہندوستان پر برطانیہ کی حکومت بطور خاص مغرب میں اشاعت اسلام کے لئے ممد ثابت ہوئی کیونکہ برطانوی حکومت کے ساتھ ہی یورپ اور امریکہ کے پادری بھی ہندوستان کی مذہبی فتح کے لئے برصغیر میں جمع ہو چکے تھے۔ اور جب ان کا مقابلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہوا جس میں پادریوں کو شکست فاش ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احمدیت کا چرچا مغرب میں ہونے لگا۔ ڈاکٹر ڈوئی اور پادری پگٹ جیسے لوگوں نے نبوت کے دعوے کرنے شروع کر دئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا تعاقب فرمایا۔ جس سے اسلام اور احمدیت کا پیغام مغرب میں پہنچنا شروع ہوا اور تصرف الٰہیہ سے مغربی اخبارات ورسائل نے اس میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے مغربی اخبارات اور جرائد منگوا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے شروع کئے اور حضور کی ہدایات کے تابع بذریعہ ڈاک اکابرین مغرب کو بذریعہ خط و کتابت تبلیغ اسلام کا آغاز کیا۔ بڑے بڑے نامور لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحب یورپ کے راستے امریکہ پہنچے تو یہ سلسلہ تبلیغ اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپین اور امریکن لوگ ایک ہندوستانی سے گفتگو کرنا بھی اپنی ہتک سمجھتے تھے اور سرسید جیسے عالم فاضل لوگ بھی معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کر چکے تھے اور کسی میں یہ جرات باقی نہ رہی تھی کہ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اشاعت اسلام کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں اور برکات ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اور آپ کے عاشق صادق حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ جنہوں نے ان ناممکن حالات میں ایسا کام کر دکھایا جس کا ان حالات میں تصور بھی محال تھا۔ اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آلہ واصحابہ ....

محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی اہلیہ انتقال فرما گئیں

- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون -

احباب جماعت کو دلی افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی نواسی اور حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ کی صاحبزادی اور محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب سابق وکیل اعلیٰ تحریک جدید کی بیگم صاحبہ محترمہ صاحبزادی آمنہ طیبہ صاحبہ دل کا دورہ پڑنے سے مورخہ ۲۷ مارچ کو رات ۱۰ بجے فضل عمر ہسپتال میں انتقال فرما گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ آپکی عمر ۷۷ سال تھی۔ محترمہ بیگم صاحبہ کو صبح ساڑھے نو بجے دل کا دورہ پڑا انہیں فوراً فضل عمر ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ان کو آکسیجن لگائی گئی اور طبی امداد بہم پہنچائی گئی لیکن ڈاکٹروں کی تمام تر کوششوں کے باوجود آپ جانبر نہ ہو سکیں۔

محترمہ آمنہ طیبہ صاحبہ ۱۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئیں اور ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء کو محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے عقد میں آئیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے محترم صاحبزادہ مرزا مجیب احمد صاحب اور محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا خالد تسلیم احمد صاحب اور ایک بیٹی محترمہ صاحبزادی عائشہ امۃ الباقی صاحبہ بیگم مکرم ظفر نذیر احمد صاحب پی۔آئی۔اے عطا فرمائیں۔ امور خارجہ رہیں۔ نہایت حقی۔ غریبوں کی ہمدرد اور عبادت گزار خاتون تھیں۔

۲۸ مارچ کو بعد نماز عصر مسجد مبارک میں محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (ناظر اعلیٰ) نے محترمہ آمنہ طیبہ صاحبہ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں اہل ربوہ اور مجلس مشاورت پر آئے ہوئے مہمانوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی جس کے بعد موصیہ ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ میں اندرونی چاردیواری میں تدفین عمل میں آئی۔ محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے تدفین مکمل ہونے پر دعا کروائی۔

سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ نے ۲۹ مارچ کے خطبہ جمعہ کے آخر پر مرحومہ کی مختلف خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا نام آمنہ تھا اور طیبہ آپ حقیقی معنوں میں آمنہ تھیں۔ عقل کا مجسمہ، بہت سلجھی ہوئی طبیعت اور اپنے والدین کی خوبیوں کی وارث تھیں۔ حضور ایدہ اللہ نے مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے لئے اس موقعہ پر خصوصیت سے دعا کی تحریک کی۔ اللہ تعالیٰ خود ان کا رفیق ہو اور صحت کے ساتھ زندگی دے۔ نماز جمعہ و عصر کے بعد حضور ایدہ اللہ نے مرحومہ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی -

کرسمس کی تاریخ اور مسیح کی پیدائش

(مظفر محمود احمد۔ سپین)

جب یہودیہ کے بیت لحم (یروشلم) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو انجیل ہمیں بتاتی ہے کہ "اسی علاقہ میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلہ کی نگہبانی کر رہے تھے" (لوقا کی انجیل۔ باب ۲۔ آیت ۸)۔

اور قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ خدا کے فرشتے نے پہاڑی کی نچلی جانب سے مریم کو پکار کر کہا۔

"...... (اے عورت) غم نہ کر، اللہ نے تیری نچلی جانب ایک چشمہ بہایا ہوا ہے (اس کے پاس جا اور اپنی اور بچہ کی صفائی کر) اور (وہ) کھجور (جو تیرے قریب ہوگی اس) کی ٹہنی کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر تازہ بتازہ پھل پھینکے گی۔ پس (ان کو) کھاؤ اور (چشمہ سے پانی بھی) پیئو اور (خود نہاکر اور بچہ کو نہلا کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو ....." (سورۃ مریم آیت ۲۵ تا ۲۷)

اس آیت کے مطابق مسیح کی پیدائش ایسے موسم میں ہوئی جب یہودیہ کے علاقہ میں کھجوریں درختوں پر پکی ہوئی تھیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ یہ موسم اگست اور ستمبر کے مہینے ہیں لیکن عام طور پر عیسائی دنیا کے خیال میں مسیح کی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر ہے اور یہ دن عیسائی لوگوں میں شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔

لیکن یہ خیال نہ صرف قرآن کریم سے ٹکراتا ہے بلکہ یہ تاریخ اور خود بائبل کے عہدنامہ جدید کے بھی خلاف ہے۔ مسیح کی پیدائش کے موسم کے متعلق بیان کرتے ہوئے لوقا کی انجیل بتاتی ہے کہ

"اسی (یہودیہ کے) علاقہ میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلہ کی نگہبانی کر رہے تھے" (لوقا باب ۲ آیت ۸)

لوقا کے اس بیان پر بحث کرتے ہوئے BISHOP BARNS اپنی مشہور کتاب "عیسائیت کا طلوع" کے صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔

"مزید برآں کوئی ایسی بنیاد نہیں ہے جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ مسیح کی پیدائش ۲۵ دسمبر کو ہوئی۔ اگر ہم لوقا کی تاریخ کے مطابق مسیح کی پیدائش کے متعلق یہ یقین کریں کہ اس وقت بیت لحم کے قرب و جوار کے علاقہ میں گلہ بان اپنے گلوں کی نگہبانی کر رہے تھے تو پھر مسیح کی پیدائش کا وقت، موسم سرما نہیں ہوسکتا جہاں کہ یہودیہ کے علاقہ میں رات کا درجہ حرارت اتنے نچلے درجہ کا ہوتا ہے کہ برف پڑنے لگتی ہے۔ بہت بحث و تمحیص کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ کرسمس منانے کی موجودہ تاریخ مسیح کے ۳۰۰ سال بعد قبول کی گئی۔"

بشپ بارنز کی رائے کو "انسائیکلوپیڈیا برٹینکا" اور "انسائیکلو پیڈیا چیمبرز" بھی لفظ کرسمس کے تحت تقویت دیتی ہیں۔ لکھا ہے۔

"مسیح کی پیدائش کی تاریخ اور سن کا کبھی بھی تسلی بخش تعین نہیں ہوسکا لیکن جب سن ۴۴۰ء میں چرچ کے راہنماؤں نے مسیح کی پیدائش کا دن منانے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ موسم سرما کے SOLSTICE کا دن مقرر کیا جو لوگوں کے اہم ترین تہوار کے طور پر ذہنوں میں پختگی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ انسان کے ہاتھ سے کیلنڈر میں تبدیلیاں تجویز کی گئیں اور SOLSTICE کا دن اور کرسمس کی تاریخ بعد ازاں جلد ہی مل جل گئے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔ ایڈیشن ۱۵۔ جلد پنجم حاشیہ، صفحات نمبر ۶۴۲ و ۶۴۳۔ ۱۷۔)

"... دوسرا یہ کہ موسم سرما کا SOLSTICE یہ سورج کی پیدائش کا دن سمجھا جاتا تھا اور روم میں ۲۵ دسمبر کا دن مشرکانہ تہوار کے طور پر متھرا (MITHRA) سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کے طور پر منایا جاتا تھا۔ چرچ بجائے اس کے کہ اس مشہور تہوار کے خلاف مزاحمت کرتا۔ اس نے سورج کی پیدائش کی تاریخ کے دن کو ہی کرسمس کے طور پر اپنا لیا۔" (انسائیکلو پیڈیا چیمبرز)

ان دونوں انسائیکلوپیڈیا کے بیان کی توثیق MR. PEAKE کی "بائبل کی تفسیر" کرتی ہے۔ اس تفسیر کے صفحہ ۷۲۷ پر وہ لکھتے ہیں۔

"مسیح کی پیدائش کا موسم ماہ دسمبر نہیں ہوسکتا ہمارا موجودہ کرسمس کا دن بعد ازاں کسی وقت مغرب میں کسی دن کے متبادل کے طور پر مقرر کیا گیا۔"

لہٰذا حالیہ تاریخی تحقیق نے عیسائیت کے اصلی ذرائع علم سے یہ ثابت کردیا ہے کہ بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسیح کی پیدائش ماہ دسمبر میں ہرگز نہیں ہوئی۔

DR. JOHN D. DAVIS اپنی کتاب "لغت بائبل" میں لفظ "مسال" کے نیچے لکھتے ہیں کہ کھجوریں یہودی مہینہ "ایلول" میں پکتی ہیں اور PEAKE کی بائبل کی تفسیر صفحہ ۱۱۷ میں ہم دیکھتے ہیں کہ "ایلول" کا مہینہ اگست ستمبر میں آتا ہے۔

مزید برآں ڈاکٹر PEAKE لکھتے ہیں کہ " J. STEWART اپنی کتاب "ہمارا خدا درحقیقت کب پیدا ہوا؟" میں انقرہ (ترکی) کے ایک چرچ کے حوالہ سے اور ایک پرانے چینی کے حوالہ سے کہ جو ۲۵ تا ۲۸ سن عیسوی میں بائبل کی کتب کے چین میں پہنچنے کا کہانی کے رنگ میں ذکر کرتا ہے۔ وہ مسیح کی پیدائش (کا موسم ماہ ستمبر یا اکتوبر) سن ۸ قبل مسیح بیان کرتا ہے اور ۳۳ء میں بدھ وار کو مسیح کے واقعہ صلیب کا ذکر کرتا ہے۔

ان دونوں انسائیکلوپیڈیا کے بیان سے جس کی توثیق ڈاکٹر ARTHUR S. PEAKE MA; DD. کی "بائبل کی تفسیر" کے حوالوں سے بھی ہوتی ہے۔ اب یہ بالکل واضح ہے کہ مسیح یہودی مہینہ "ایلول" میں پیدا ہوئے جو ماہ اگست یا ستمبر میں آتا ہے جب یہودیہ میں کھجوریں پکتی ہیں نہ کہ مسیح ۲۵ دسمبر کو پیدا ہوئے جیسا کہ ہمیں چرچ بتاتا ہے۔ اور یہ وہ رائے ہے جو قرآن کریم بیان کرتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرم امیر صاحب جماعت احمدیہ امریکہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مختلف ممالک کی طرف سے نمایاں کامیابیوں کی خوشخبریاں مل رہی ہیں۔ گزشتہ سال کی طرح امسال بھی آئیوری کوسٹ کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ سب سے پہلے ان کی طرف سے بیعتوں کی بڑی خوشخبری کی اطلاع ملی ہے۔ اللہ کے فضل کے ساتھ وہاں اب تک اسّی ہزار بیعتیں ہو چکی ہیں اور داعیان الی اللہ دن رات اس عظیم الشان جہاد میں مصروف ہیں۔ آپ کی طرف سے ابھی تک بیعتوں کی بڑی خوشخبری کا انتظار رہا ہے۔

عالمی طور پر جماعت کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نصرت کی جو ہوائیں چلائی ہیں ان ہواؤں کے رخ پر آپ بھی پر حکمت منصوبہ بندی، محنت اور دعاؤں کے ساتھ دعوت الی اللہ کی مہم کو تیز تر کریں۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ دیں اور ساری جماعت کو دعاؤں کی تلقین کریں۔ جماعتوں کو اور داعیان الی اللہ کو بار بار یاد دہانی اور ان کی رہنمائی اور نگرانی کے لئے مؤثر نظام قائم کریں۔ اللہ آپ کی نصرت فرمائے۔

MEXICO کے لئے پچاس اور JAMAICA کے لئے یکصد بیعتوں کا ٹارگٹ آپ کو دیا گیا تھا۔ ان کے حصول کے لئے بھی ابھی سے پروگرام بنا کر کام شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح گزشتہ سال آپ کی طرف سے PERU کی ایک بیعت ملی تھی۔ یہاں بھی آپ نے امسال بیعتوں کی تعداد کو یکصد تک پہنچانا ہے اور بعض دوسرے ممالک جو آپ کے سپرد ہیں ان میں احمدیت کے نفوذ اور قیام کے لئے مستحکم پروگرام بننے چاہییں۔ اللہ آپ کی نصرت فرمائے اور یہ سال امریکہ میں بیعتوں کا سال بن جائے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

والسلام
خاکسار
[signature]
خلیفۃ المسیح الرابع

T-12036
5. 2-96

اخبارات میں سے

دی نیوز انٹرنیشنل کے 21۔دسمبر 1995ء کے شمارے میں ڈاکٹر رئیس احمد خان دستور کی شق C-295 سی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ اسلام کے دو سرکردہ دانش وروں یعنی ڈاکٹر مودودی (بلاسفیمی کی سزا) جو یکم دسمبر کو شائع ہوا تھا اور پروفیسر فاطمی شق نمبر 295 سی کا خاتمہ۔ (یہ مضمون جو نیوز میں 10۔ دسمبر کو شائع ہوا تھا) دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ شق نمبر 295 سی پاکستان پینل کوڈ قرآن کریم اور سنت کے اعلیٰ ترین احکام کے خلاف ہے یہ اتفاق بہت اہم ہے کیونکہ جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ دونوں دانش ور مختلف مسالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ سینیٹر رضا ربانی اور ان کی وزارت قانون اور بہادر عاصمہ جہانگیر اور ان کی ہیومن رائٹس آرگنائزیشن اب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ اور اس سلسلے میں ضروری تحریک چلائیں گے کہ اس غیر اسلامی شق کو دستور کی کتاب سے نکال دیا جائے۔ یہ خط اسلام آباد سے لکھا گیا۔

دی نیوز انٹرنیشنل کے 21۔دسمبر 1995ء کے شمارے میں قبروں کی بے حرمتی کے متعلق سیمی عزیز کہتی ہیں۔

اس وقت میرے سامنے مختلف اخبارات پڑے ہیں۔ ان میں جنرل ضیاء الحق کی قبر کی بے حرمتی سے متعلق خبر شائع کی گئی ہے اور ایم۔ این۔ اے بیٹے کا ردعمل بھی پیش کیا گیا ہے۔ مسٹر اعجاز الحق نے جس غصے اور مایوسی کا اظہار کیا ہے وہ قابل فہم ہے۔ لیکن جو بات قابل فہم نہیں وہ ان کی اس وقت کی خاموشی ہے جب یہی سلوک دوسرے بد قسمت لوگوں سے کیا جا رہا تھا۔ کسی بھی دوسرے مذہب سے زیادہ اسلام انسانی وقار کا درس دیتا ہے۔ اسلام نے یہ فرض قرار دیا ہے کہ اس کے پیروکار خاص طور پر ان لوگوں کی عزت کریں جو جہان سے گذر جاتے ہیں۔ مزار کی یہ بے حرمتی اس لئے کہا جا سکتا ہے نہایت قابل مذمت ہے۔ لیکن اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ایسی بے ہودگی (یا آوارہ گردی) کا اظہار کیوں کیا گیا۔ سابق جنرل نے انسانی وقار اور اسلام کے متمدن رویے کو قائم کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے انسانوں کو کوڑے لگوانے کے احکام دئے تاکہ ان کا اپنا غیر قانونی اقتدار زیادہ طویل ہو سکے۔ اقلیت کی قبروں کی نہ صرف بے حرمتی کی گئی بلکہ ان میں سے لاشوں کو نکال کر ان کی بھی بے حرمتی کی گئی۔ نہ ضیاء الحق نے نہ ان کے بیٹے نے اپنی چھوٹی انگلی یعنی چھنگلی بھی ان زیادتوں پر اٹھائی۔ شائد اقلیتوں کی دشمنی کی وجہ سے ایسا کیا جاتا رہا۔ اور جرنیل کے اپنے اقتدار کو قائم کرنے کا یہ ایک طریق تھا۔ انہوں نے اس بات کو بھلا دیا کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی راہ میں استقامت اختیار کرو۔ اور اس بات کی گواہی دو اور گواہی دو برابر کی۔ یعنی لوگوں کو برابر سمجھو۔ اور ایسے لوگ نہ بن جاؤ جنہیں دشمنی مشتعل کر دیتی ہے اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جو عدل کے خلاف ہیں۔ ہمیشہ انصاف کرو۔ یہ بات راہ راست کے قریب تر ہے اور خدا سے ڈرو یقیناً خدا اس بات پر گواہ ہے جو تم کرتے ہو۔ ایک حاکم نے اس ارشاد خداوندی سے منہ موڑا اور لاکھوں لاکھ کلمہ گوؤں کو امت کے دائرے سے

باقی صـ ۱۵ پر

حاصل مطالعہ

(دوست محمد شاہد۔ مؤرخ احمدیت)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو عارفانہ اشعار

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ بے مثل عاشق قرآن تھے جس کا ایک ناقابل تردید ثبوت یہ بھی ہے کہ برصغیر کا کوئی عالم دین قرآن مجید کی معجزانہ شان پر قلم اٹھاتا ہے تو حضور کا کوئی نہ کوئی شعر ان کے نوک قلم پر آجاتا ہے۔ اس ضمن میں ایک تازہ مثال ملاحظہ ہو۔ ایک شیعہ عالم سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ" کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" کے صفحہ ۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں

کلام پاک یزداں کا نہیں ثانی کوئی ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے
خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

یہ کتاب القدیر پرنٹنگ پریس بلاک ، سرگودھا کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ مذکورہ پہلے شعر کا پہلا مصرعہ اصل میں یوں ہے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز

ایک دلچسپ "شرعی گپ"

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا جس کے قریباً اکیس سال بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مجلس احرار نے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس لاہور میں جنم لیا۔ اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر "مفتی محمد جمیل خان" کی یہ دلچسپ "شرعی گپ" ملاحظہ ہو۔ "شرعی" ان معنوں میں کہ یہ "امیر شریعت احرار" کے ایک ایسے شیدائی نے ایجاد فرمائی ہے جو "مفتی" بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

"امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے...... مجلس احرار اسلام کا مذہبی شعبہ قائم کرکے عقیدہ ختم نبوت کے لئے کام شروع کردیا۔ پورے برصغیر میں قادیانیت اور مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کے خلاف تبلیغی سرگرمیوں کا جال پھیلایا۔ قادیان میں جاکر جلسہ کیا اور عقیدہ ختم نبوت کی وضاحت کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرے ہوئے مباہلوں کا چیلنج دیا گیا۔ آپ کے ساتھ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، قاضی ثناء اللہ امرتسری، شیخ حسام الدین، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر، پیر مہر علی شاہ اور دیگر بڑے بڑے علماء کرام اس مشن میں شانہ بشانہ شریک قافلہ تھے۔" (روزنامہ جنگ۔ جمعہ میگزین ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۲۳ کالم ۲-۳)

مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ انٹرنیشنل

ہفت روزہ "میڈیا" لاہور ۵ تا ۲۰ مئی ۱۹۹۵ء رقمطراز ہے۔

"جماعت احمدیہ اس قدر منظم ہوچکی ہے کہ اس نے انٹرنیشنل ٹیلی ویژن سے ۲۴ گھنٹے کی نشریات خرید رکھی ہیں۔ پاکستان کے اندر احمدی تبلیغ نہیں کرسکتا اس کے برعکس اینٹینا پر ۲۴ گھنٹے پاکستانی عوام "مسلم ٹیلی ویژن انٹرنیشنل احمدیہ" کی نشریات دیکھتے اور سنتے ہیں اور احمدیوں کی نشریات مختلف حصوں میں تقسیم ہیں لیکن اس نشریات کو ٹیلی کاسٹ کرنے کا انداز بہت پرفریب ہے۔ ٹیلی ویژن پر ایسے ایسے حیرت انگیز دعوے کئے جاتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ احمدی اس صدی میں غالب آنے والے ہیں۔ کیا عالم اسلام پاکستان اور مسلمان علماء کرام احمدیوں کی ترقی کا کوئی توڑ کرنے کی پوزیشن میں نہیں؟ اس سوال کا جواب وقت دے گا۔"

ختم نبوت کے ٹھیکیدار

رسالہ "القول السدید" لاہور دسمبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۲۱ کا اداریہ

"یہ بات پاکستان کی قومی اسمبلی کے ریکارڈ پر بھی موجود ہے کہ جب مرزا ناصر نے مفتی محمود کو کہا کہ مولوی صاحب ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو اور بتاؤ کہ نبوت کے دعوے کی وجہ سے ہمیں ہی کیوں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جارہا ہے جب کہ آپ کے اکابر بھی اس جرم میں شریک ہیں تو مفتی محمود.... پسینے میں نہا گئے تھے..... مگر داد دیجئے اس بے حیائی اور بے شرمی کی کہ دیوبندی بھی قصر نبوت میں نقب زنی کے باوجود ختم نبوت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔"

ملا کا عالمی جہاد

ایک احمدی شاعر کے چند اشعار کا انتخاب

پڑھتے ہیں کیوں نماز انہیں روک دیجئے
اللہ سے ساز باز، انہیں روک دیجئے
دن رات بھیجتے ہیں محمدؐ پہ یہ درود
ہے اس میں کوئی راز، انہیں روک دیجئے
لوگ ابن راہ میں کیوں سناتے ہیں قرآں کی آیتیں
حق پہ ہے ان کو ناز، انہیں روک دیجئے
دنیا سے واسطہ نہ سیاست سے ہے غرض
ہیں کتنے بے نیاز، انہیں روک دیجئے
پھیلا رہے ہیں چار طرف مصطفیٰؐ کا نور
آتے نہیں ہیں باز، انہیں روک دیجئے

"الیس اللہ بکاف عبدہ" لکھنے پر مقدمہ

[پریس ڈیسک] لاڑکانہ ضلع سندھ سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ دو احمدی مسلمانوں مکرم ظہور احمد صاحب ولد انور حسین صاحب اور نور حسین صاحب ولد محمد انور صاحب سکنہ انور آباد ضلع لاڑکانہ کے خلاف موٹر سائیکل پر "الیس اللہ بکاف عبدہ" لکھنے کی وجہ سے مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۹۵ء کو زیر دفعات ۲۹۸/سی، ۲۹۵/اے اور ۲۹۵/سی ایک مقدمہ درج کیا گیا ہے۔

واقعات کے مطابق وارہ شہر کے ایک مولوی محمد صدیق ولد محمد عمر (جو سکول والی مسجد کا پیش امام اور خطیب ہے) نے پولیس کے اعلیٰ افسران کو ایک درخواست دی کہ ۱۰ ستمبر ۹۵ء کو صبح کے وقت اسے چند اشخاص نے بتایا کہ مذکورہ بالا دو احمدی وارہ شہر کے مین چوک میں موٹر سائیکل پر سوار ہو کر آئے اور ان کے موٹر سائیکل پر "الیس اللہ بکاف عبدہ" کی آیت لکھی ہوئی تھی۔ چونکہ مذکورہ بالا دونوں احمدی ہیں اس لئے وہ پاکستان کے قانون کے مطابق آیت قرآنی کا استعمال نہیں کرسکتے کیونکہ اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اس لئے ان دونوں کے خلاف ۲۹۸/سی اور توہین رسالت کی دفعات کے تحت مقدمہ درج کیا جائے۔

چنانچہ پولیس نے مقدمہ درج کر کے احمدی مسلمانوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی ہے۔

احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ اپنے پاکستانی بھائیوں کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دشمن کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔

مختصر عالمی خبریں

(مرتبہ ابوالمسرور چوہدری)

پاکستان ایک سنی سٹیٹ ہوگی؟

(پاکستان) ستمبر ۹۵ء میں پاکستان میں ایک فوجی سازش پکڑی گئی تھی جس نے صدر پاکستان، وزیراعظم اور انکے اہل و عیال اور فوجی کمانڈروں کو قتل کرکے حکومت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ پروگرام کے مطابق جنرل عباسی کو امیرالمومنین مقرر کیا جانا تھا۔ باغی افسروں کے مجوزہ "امیرالمومنین" نے ملک میں اقتدار سنبھالنے کے بعد جو پہلا خطاب قوم سے کرنا تھا اس کا جو متن اخبارات میں شائع ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

* پاکستان آج سے ایک سنی سٹیٹ ہے۔ ہم مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کرتے ہیں تمام عدالتیں آج سے فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کریں گی۔
* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر شخص جو مدعی نبوت ہو اور اس کے ماننے والے خارج از اسلام ہیں اور چاہے انکی تعداد کتنی بھی کیوں نہ ہو وہ سب کے سب مرتد اور واجب القتل ہیں۔
* اللہ تعالیٰ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان کے خلاف یا اصحاب رسولؐ یا اہل بیت رسولؐ کی شان کے خلاف کچھ کہنے والا بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی بھی طرح گستاخی کا مرتکب مستوجب سزا شرعی ہوگا۔
* عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی اور سودی نظام ختم کردیے گئے ہیں۔ ڈش اینٹینا اور فلم انڈسٹری پر مکمل پابندی اور ویڈیو دکانیں سربمہر کردی گئی ہیں۔
* ملک میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام فوری رائج کردیا گیا ہے تمام مساجد سے بیک وقت اذان بلند ہوگی جس کے ساتھ ہی تمام کاروبار بند ہوجائے گا ہر چھوٹے بڑے ملازم کے لئے باجماعت نماز ادا کرنا لازمی ہوگا اسکی خلاف ورزی جرم تصور ہوگا سرکاری ملازمین کو قید اور ملازمت سے سبکدوشی کی سزا ہوگی۔
* ملک میں خواتین کے لئے شرعی پردہ لازم قرار دے دیا گیا ہے۔ اخبارات وغیرہ میں خواتین کی تصاویر کی اشاعت پر پابندی ہوگی۔
* کلیدی عہدوں پر صرف راسخ العقیدہ مسلمان ہی فائز رہ سکیں گے۔
* مساجد میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی اجازت ہوگی مگر باقی ہر جگہ مثلاً ہوٹلوں، ویگنوں وغیرہ میں مکمل پابندی، کسی طرح کا کوئی فلمی یا گانے کا کیسٹ بجانا ممنوع ہوگا۔

یہ تقریر مولانا عبدالقادر ڈیروی نے لکھ کر دی تھی۔

Muslim Television Ahmadiyya

ایم ٹی اے کی نئی انتظامیہ

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے لئے حسب ذیل نئی انتظامیہ کمیٹی مقرر فرمائی ہے۔

چیئرمین نمبر ایک : مکرم سید نصیر احمد شاہ صاحب
چیئرمین نمبر دو : مکرم عطاء المجیب صاحب راشد
سیکرٹری : مکرم رفیق احمد صاحب حیات
ممبران : مکرم منیرالدین صاحب شمس
مکرم شجر احمد صاحب فاروقی
مکرم مبارک احمد صاحب ظفر
مکرم منیر احمد صاحب جاوید

(ہادی علی چوہدری۔
قائم مقام چیئرمین الشرکۃ الاسلامیہ)

معاند احمدیت، شریر اور فتنہ پرور مفسد ملاؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خصوصیت سے حسب ذیل دعا بکثرت پڑھیں

اَللّٰهُمَّ مَزِّقْهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَسَحِّقْهُمْ تَسْحِيْقًا

اے اللہ انہیں پارہ پارہ کردے، انہیں پیس کر رکھ دے اور ان کی خاک اڑادے